ہفت روزہ
# ندائے خلافت
لاہور
6 اگست 2003ء ۔ ۷ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
جلد 12 شمارہ 28
www.tanzeem.org

- ایک سنگین مسئلہ (اداریہ)
- اسلامی معاشرے میں اسراف وتبذیر کی ممانعت (منبر ومحراب)
- داخلی امن واستحکام کی حقیقی بنیاد (تجزیہ)

## اسلامی نظامِ زندگی

اسلام واحد نظامِ زندگی ہے جو ایک انسان کو اپنے دوسرے انسان بھائی تک رسائی حاصل کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ نیز دین اسلام کی رُو سے ہر انسان دوسرے انسان کی نسبت سے بالکل آزاد بھی ہے۔ کیونکہ اس نظام میں ''بندگی'' صرف خدائے بلند و برتر کے لئے مخصوص ہے اور یہ نظام اس دنیا سے انسان کی جانب سے دوسرے انسان کے لئے ہر قسم کی غلامی کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ اس نظام میں کوئی فرد' کوئی طبقہ اور کوئی قوم دوسرے انسان کے لئے قانون سازی کا کام نہیں کر سکتی اور نہ اس قانون سازی کے ذریعہ انسانوں کو کوئی اپنا غلام اور زیردست بنا سکتا ہے۔ اس نظام میں سب انسانوں کا ایک ہی رب ہے' وہ تمام انسانوں کے لئے قانون وضع کرتا ہے بالکل مساوات کے ساتھ۔ اور تمام انسان صرف اس رب کی بارگاہ میں خضوع اور خشوع کے ساتھ سجدہ ریز ہوتے ہیں' صرف اس رب واحد کی بندگی کرتے ہیں اور صرف اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس نظام میں انسان کی جانب سے کسی دوسرے انسان کی اطاعت صرف ایک صورت میں کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کا نافذ کنندہ ہو۔ اور امت کی جانب سے نفاذِ شریعت کا کام اس کے سپرد کر دیا گیا ہو۔ نفاذِ شریعت کا کام بھی کوئی از خود نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ قانون سازی صرف اللہ کا کام ہے۔ انسانی زندگی میں شریعت شان خداوندی کا اظہار ہے۔ اس لئے کوئی انسان اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے شریعت سازی کا کام مخصوص کر سکے حالانکہ وہ صرف ایک بندۂ خدا ہے۔

یہ اسلامی نظام حیات کا اصل الاصول ہے اور اس اصول و دستور کے نتیجے میں ایک ایسا پاک اخلاقی نظام زندگی پرورش پاتا ہے جس میں تمام بنی نوع انسان کو کامل حریت اور آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان انسانوں کو بھی جو اسلامی عقیدۂ حیات کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتے۔ اس نظام میں ہر شخص کی عزت محفوظ ہوتی ہے' یہاں تک کہ جو لوگ اسلامی نظام زندگی کو قبول ہی نہیں کرتے ایک اسلامی ریاست میں اُن کے حقوق بھی محفوظ ہوتے ہیں' چاہے اس کا عقیدہ جو بھی ہو۔

(سید قطب شہیدؒ کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' جلد اوّل سے ایک اقتباس)

# سورۃ البقرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْ اَنْفُسِكُمْ ط عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ط وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ج وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ o لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ج وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ج مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ o وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o﴾ (آیت 235 تا 237)

''اگر تم کنائے کی باتوں میں (ایامِ عدت میں) عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے مگر (ایامِ عدت میں) دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو (لیکن) پوشیدہ طور پر ان سے قول وقرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہو لے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔ یہ نیک لوگوں پر ایک طرح کا حق ہے۔ اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دے دیں تو ان کو اختیار ہے) اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔''

کسی عورت کا شوہر فوت ہو گیا' اب وہ عدت گزار رہی ہے تو اس کے ساتھ نکاح کی خواہش دل میں رکھنے پر کوئی حرج نہیں' اگر اشارۃً اس کا اظہار بھی کر دیا تو اس بات کی اجازت ہے البتہ عدت کے دوران تم نکاح کا معاملہ نہ پختہ کر سکتے ہو نہ اس معاملے میں سلسلہ جنبانی کر سکتے ہو نہ کوئی خفیہ معاہدہ کر سکتے ہو۔ دل میں ارادہ یا خواہش رکھنا یا معروف طریقے سے اشارہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ اُس وقت تک نکاح کی گرہ نہ باندھو جب تک کہ اس کی عدت پوری نہ ہو جائے۔ اگر وہ مطلقہ ہے تو اس کی عدت تین حیض آنے تک ہے اگر بیوہ ہے تو چار ماہ دس دن ہیں۔ اگر حاملہ ہے خواہ بیوہ ہو یا مطلقہ تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اس مدت کے اندر دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ لہٰذا وہ تمہارا محاسبہ کرے گا اور یہ بھی جان لو کہ وہ بخشنے والا حلیم ہے فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ اصلاح کر لو۔

اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اس سے قبل کہ تم نے انہیں چھوا ہو یا کوئی مہر مقرر کیا ہو۔ یعنی صورت حال یہ ہوئی کہ نکاح تو ہو گیا مگر مہر مقرر نہیں ہوا اور یہ کہ ابھی ملاقات بھی نہیں ہوئی یعنی خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی مگر کسی سبب سے طلاق ہو گئی تو ایسی صورت میں حسن سلوک کے طور پر عورت کو کچھ سامان وغیرہ دے کر گھر سے رخصت کر دو۔ اگر کوئی خوشحال ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق اور اگر تنگ دست ہے تو اپنی طاقت کے مطابق یہ معاملہ کرے۔ یہ ساز و سامان دینا نیک لوگوں کے ذمہ عورت کا حق ہے۔ ایک عورت آپ سے منسوب رہی۔ نکاح ہو گیا چاہے ابھی ملاقات نہیں ہوئی اور مہر بھی نہیں باندھا گیا تو اب جو نسبت رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے طلاق دے رہے ہو تو اسے کچھ نہ کچھ دے دلا کر رخصت کرو۔

اگر تم طلاق دے رہے ہو جبکہ نکاح کے وقت مہر تو مقرر ہو چکا تھا لیکن ابھی خلوت میسر نہیں آئی تو جتنا مہر مقرر ہوا تھا اس کا آدھا تمہیں ادا کرنا ہوگا ہاں اگر وہ عورت کہے کہ میں نہیں لینا چاہتی تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اگر مرد یہ چاہے کہ میں اس کو بلا خلوت طلاق دے رہا ہوں تو اس کی کسی حد تک تلافی کرتے ہوئے اور حسنِ سلوک کے طور پر اسے نصف کے بجائے پورا حق مہر دے تو وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ مرد اگر یہ مردانگی دکھاتا ہے تو اچھی بات ہے' صرف قانونی تقاضے ہی پورے نہ کرو بلکہ افضل انداز اختیار کرو جو کہ بیان ہوا کہ عورت نصف لینے سے بھی انکار کر دے جبکہ مرد پورا حق مہر دے کر عورت پر احسان کرے اور یہ چیز تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر فضیلت دی۔ اس اعزاز کو فراموش نہ کرو۔ تمہارے اس بلند مقام کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر عورتوں کی طرف سے رعایت کی توقع رکھنے کی بجائے خود مردانگی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نصف کی بجائے پورا حق مہر ادا کر دو۔ یقیناً اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو۔

فرمانِ نبوی — چوہدری رحمت اللہ بٹر

## درد و تکلیف سے بچاؤ کی دعا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اشْتَكَيْتَ فَضَعْ يَدَكَ حَيْثُ تَشْتَكِيْ' وَقُلْ : بِسْمِ اللّٰهِ | وَبِاللّٰهِ | اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ مِنْ وَجْعِيْ هٰذَا' ثُمَّ ارْفَعْ يَدَكَ ثُمَّ اَعِدْ ذٰلِكَ وِتْرًا)) (اخرجه الترمذی' والحاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں تکلیف ہو/ درد ہو تو اپنا ہاتھ درد والی جگہ پر رکھو اور پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ | وَبِاللّٰهِ | اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ مِنْ وَجْعِيْ هٰذَا ''اللہ کے نام سے اللہ کی عزت اور قدرت کی پناہ میں آتا ہوں اور اس تکلیف سے جو میں اپنی بیماری کی وجہ سے پا رہا ہوں۔'' پھر اپنا ہاتھ اٹھا لو اور دوبارہ یہی کلمات پڑھو۔ طاق بار۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اس لئے پورے وثوق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات پر عمل کر کے شفا حاصل کرنی چاہئے۔ اللہ کی ذات پر یقین ہی اصل ذریعہ نجات ہے اور یہی توکل علی اللہ پیدا کرتا ہے۔

5-8-2003

**اداریــــہ**

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ایک سنگین مسئلہ

قرائن بتاتے ہیں کہ ہماری حکومت عراق پر قابض امریکی فوجوں کی مدد کے لئے پاکستانی فوجیوں کو عراق بھیجنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور کوئی دن کی بات ہے کہ اس پر عملدرآمد کے احکام ''مقتدر اعلیٰ'' کی طرف سے صادر ہو جائیں گے۔ یہ حکومتی فیصلہ کوئی عام انتظامی فیصلہ نہیں ہے کہ جس سے صرف نظر کیا جا سکے۔ یہ ایسا فیصلہ بھی نہیں کہ جس کے بارے میں رائے کا اختلاف صرف اس حد تک ہو کہ ایک فریق کی رائے میں پاکستانی فوج کے سپاہیوں کا عراق بھیجنا ملکی مفادات کے حوالے سے ایک نہایت صائب فیصلہ اور دوسرے کی رائے میں یہ فیصلہ قدرے نامناسب ہو' بلکہ ہمارے نزدیک نظریاتی اور اصولی اعتبار سے بحیثیت قوم یہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

یہ فیصلہ اسلام کے مسلمہ اصولوں سے انحراف اور عالمی ملت اسلامیہ سے غداری کے مترادف ہے۔ یہ شاید اسلامیانِ پاکستان کے اجتماعی گناہوں اور قومی تقصیرات کا خمیازہ ہے جو ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے کہ آج اس ملک کے مقدر پر وہ لوگ قابض ہیں جو وقتی مصلحتوں کی خاطر اہم ترین دینی و اخلاقی اصولوں کو قربان کرنے اور اپنے رب کی ناراضگی مول لینے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے ـــــ ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے!

تنظیم اسلامی نے اس مسئلہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے رائے عامہ کو بیدار کرنے کی مہم کا آغاز کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ابتدائی طور پر جو ہینڈ بل تیار کیا گیا ہے' اسے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

## کیا ہم آزادی کے حصول کے لئے کوشاں عراقی مسلمان بھائیوں کا خون اپنے سر لیں گے؟

**خدارا غور کریں!** ـــــ کیا کسی بھی عذر یا دلیل کی آڑ میں ہمارا عراق میں فوجیں بھیجنا درست ہوگا؟ عراق کی صورت حال امریکہ کے غیر قانونی' غیر اخلاقی اور غیر انسانی اقدامات کی پیدا کردہ ہے۔ وہاں امریکہ کو سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ عراق کی صورت حال اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے جتنی کہ ظاہر کی جا رہی ہے۔ یہ اندیشہ بھی موجود ہے کہ آنے والے دنوں میں عراقی عوام کی جانب سے امریکی فوج کے خلاف مزاحمت میں اضافہ ہوگا۔ نتیجتاً امریکہ اس مزاحمت کو کچلنے کے لئے زیادہ سخت اقدامات کرے گا۔ کیا ہم امریکہ کے ان اقدامات کی حمایت یا دوسرے الفاظ میں اپنی افواج کے ہاتھ عراقی مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگین کرنا چاہتے ہیں؟

**ظاہر ہے کوئی باغیرت مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا**

پاکستانی افواج کی عراق میں موجودگی کے دوران اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ کسی پاکستانی فوجی کی گولی سے کوئی عراقی یا کسی عراقی کی گولی سے کوئی پاکستانی فوجی بلکہ دونوں طرف کے بے شمار مسلمان جاں بحق ہو جائیں۔ ایسی تکلیف دہ صورت حال کا نتیجہ اس دنیا میں پاکستانی عوام کی ناراضگی نیز عالم اسلام میں ہماری بدنامی اور آخرت میں سورۃ نساء (آیت ۹۳) کی رو سے اللہ کی لعنت اور جہنم میں ابدی داخلہ کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں۔ افواج پاکستان کو ہرگز کسی بھی صورت میں عراق نہ بھیجا جائے۔ (وما علینا الا البلاغ)

---


[illegible]
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

جلد 12 شمارہ 28

31 جولائی تا 6 اگست 2003ء

(۲۸ جمادی الاول تا ۴ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

ادارۂ تحریر: سید قاسم محمود' مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان' محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

E-Mail:markaz@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک ...... 250 روپے

بیرون پاکستان

☆ یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ
........1500 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ
........2200 روپے

# ایڈیٹر کی ڈاک

✿ **جناب زاہد انور بٹ، شام نگر، چوبرجی، لاہور کا خط آیا ہے ۔ لکھتے ہیں:**
''آپ کے ندائے خلافت کا سلسلہ 'تاریخ احیائے اسلام' جامع معلومات کا ذخیرہ ہے۔ میں اس کا باقاعدگی سے مطالعہ کررہا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے کو بعد میں کتاب کی صورت میں شائع کروائیں اور جو معلومات قسط وار اس میں ہیں' وہ کتاب کی صورت میں یکجا ہوں تو ایسی کتاب قارئین کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی ...... اگر ہوسکے تو ''ندائے خلافت'' کے کس شمارے میں یہ خط چھپے گا وہ بھی بتادیں''۔

[ جواباً تحریر ہے کہ آپ کی تجویز اچھی ہے۔ نوٹ کر لی گئی ہے۔ انشاء اللہ تجدید واحیائے اسلام کی یہ تاریخ جو سید قاسم محمود صاحب رقم کررہے ہیں' کتابی صورت میں بھی شائع کریں گے۔ آپ نے سید صاحب کے لئے جو دعائیہ اور توصیفی کلمات لکھے ہیں' وہ اُن تک پہنچا دیئے گئے ہیں۔ آپ کا خط ''ندائے خلافت'' کے اس شمارے میں شامل ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ نے اپنے خط میں ہمارے ''قارئین'' کو ''قاریین'' لکھا ہے۔ قارئین کا احتجاج آپ نوٹ فرمالیجئے۔ ]

✿ **سید طارق محمود صاحب، اسلام پورہ، لاہور سے لکھتے ہیں:** ''آپ ایڈیٹر کی ڈاک قارئین کے خطوط سے مرتب کرتے ہیں۔ ایک خط میں بھی پیش کررہا ہوں۔ یہ میرے خیالات نہیں ہیں۔ اُردو کے ایک عظیم ادیب خواجہ حسن نظامی کے ہیں اور افغانستان کے بارے میں ہیں' جبکہ آج کل پاکستان میں افغانستان بھی ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ ''سفرنامہ افغانستان'' کا ایک دلچسپ اقتباس ہے جو خواجہ صاحب نے 17 ستمبر 1931ء کو آج سے 72 سال پہلے اپنے ہفت روزہ ''منادی'' میں لکھا تھا۔ میں اپنا تعارف بھی کرائے دیتا ہوں۔ مجھے یہ خوشی بلکہ سعادت حاصل ہے کہ جب پچاس کی دہائی میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کرشن نگر میں مطب کرتے تھے تو ہمارا مکان اُن کے مکان اور مطب کے بالکل سامنے تھا اور میرے والد اپنے بچوں کا علاج اُنہی سے کرایا کرتے تھے' گویا میں بھی ڈاکٹر صاحب کا مریض رہا ہوں۔ خیر خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

''ٹھیک گیارہ بجے صبح موٹر میں سوار ہوا اور موٹر نے افغانستان کی طرف اپنے پہیے کو حرکت دی۔ پشاور کی آبادی سے باہر آتے ہی پہاڑوں کے دامن میں ایک وسیع میدان نظر آیا۔ صوفی حاجی محمد صاحب نے بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سلطان محمود غزنوی کا راجہ جے پال کی ہندو فوج سے مقابلہ ہوا تھا۔ میدان پر نظر ڈالتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہاں ہزاروں مسلمان کھڑے ہوں گے اور یہاں لاکھوں ہندوؤں کی فوجیں ہوں گی' اور اس جگہ سلطان نے شکست کے آثار دیکھ کر خاک پر سجدہ کیا ہوگا۔ (اس میدان کو کچا گڑھی بھی کہتے ہیں)

تاریخوں سے ثابت ہے کہ سلطان کے پہلے حملے کے وقت پشاور کے سامنے لڑائی ہوئی تھی اور پنجاب کا راجا لاکھوں کی جرار فوج کے ساتھ مقابل ہوا تھا اور جب شکست کے آثار پیدا ہوئے تو سلطان گھوڑے سے اُترا۔ خاک پر سجدہ کیا اور فتح کی دعا مانگی۔ یکا یک ہندوؤں کو شکست ہوگئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ جب تک موٹر اس میدان کے سامنے رہی۔ مجھے اپنے تصور سے ہوش نہ آیا۔ یکا یک صوفی صاحب نے کہا یہ اسلامیہ کالج کی عمارتیں ہیں۔ بھاگتی ہوئی موٹر میں پورا نظارہ تو نہ کرسکا' تاہم کالج کی عظمت وشان کا اندازہ عمارتوں سے ہوگیا۔

قلعہ شہ گئی کے بعد وہ مسجد آگئی جس کی زیارت کے لئے ساری عمر سے ترس رہا تھا۔ مسجد کیا ہے' ایک چھوٹا سا مقبرہ معلوم ہوتا ہے۔ چار پانچ گز اندر جگہ ہے۔ چار دروازے ہیں۔ اس پر ایک بُرج ہے۔ مسجد کے آس پاس مسلمانوں نے جھنڈیاں لگا رکھی ہیں۔ حضرت علیؓ کے نام سے اس لئے منسوب ہے کہ لوگوں کے عقیدے میں حضرت علیؓ یہاں آئے تھے یا اُن کا تیر یہاں آکر گرا تھا۔ بہرحال حضرت علیؓ کا آنا ثابت نہ بھی ہو تب بھی ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کے نام سے مسلمانوں نے کسی وقت یہاں کوئی بڑا کام نکالا۔

علی مسجد سے درۂ خیبر شروع ہوتا ہے۔ اس درے کی شہرت بچپن سے سنتا تھا۔ حفیظ جالندھری صاحب درۂ خیبر کی نظم سناتے تو میری قومی روح کو وجد آتا تھا اور بار بار اس نظم کو سنتا تھا۔ جب افغانستان کے سفر کا تصور کرتا تھا اور درۂ خیبر کی عجیب ہیبت خیال میں آتی تھی' کتابوں میں دیکھتا تھا کہ یہ درہ اتنا تنگ ہے کہ ایک سوار بمشکل گزرتا ہے اور دوسرا اس کے برابر نہیں چل سکتا اور دس بارہ میل تک ایسا ہی تنگ راستہ ہے۔ یہی وہ درۂ خیبر ہے' جس سے سکندر ذوالقرنین گزر کر ہندوستان آیا اور اس درے سے سلطان محمود غزنوی' شہاب الدین غوری' نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ فاتح ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ میں ان تاریخی حملوں کو یاد کرکے درۂ خیبر کی دید کے لئے بے قرار تھا۔ اس کی خاک کو اس کی دیواروں کو گزشتہ زمانے کے تصور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر آج سارا شوق برباد ہوگیا' کیونکہ درۂ خیبر کی قدیمی شان باقی نہیں ہے۔ قوموں کی فوجی ضروریات نے درے کی تنگی کو فراخ کردیا ہے۔ علی مسجد سے ڈگہ تک کئی کشادہ راستے بنا دیئے گئے ہیں اور اب وہ ایک سوار کے گزرنے کے قابل تنگ راستہ باقی نہیں ہے اور یا موٹر ایسے نئے راستے سے گزری کہ وہ تنگ راستہ کسی اور سمت رہ گیا۔ علی مسجد سے ڈگہ تک بارہ' تیرہ میل کا فاصلہ سب درۂ خیبر کہلاتا ہے اور پہلے افغانستان کے قبضے میں تا مگر اب انگریزی قبضے میں ہے۔

کابل میں بھی تجربہ ہوا تھا اور غزنی میں بھی دیکھا کہ یورپ والوں کی طرح افغان بھی صبح دیر سے بیدار ہوتے ہیں۔ ان میں جو نماز کے زیادہ پابند ہیں' وہ بھی صبح کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں۔ اگر افغان یورپ والوں کی طرح دن کو چست' مستعد اور متحرک نظر آتے تو ان میں اُن کو معاف کرسکتا تھا' لیکن افغانوں میں باوجود اس کے کہ افغانستان ایک ٹھنڈا ملک ہے' چستی اور پھرتی اور زیادہ کام کرنے کی امنگ نہیں دیکھی۔ یہ قوم مجھ کو ایک اونگھتی ہوئی قوم معلوم ہوتی ہے۔ میں خود اپنے تن لاغر اور جسم بیمار کو دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کام کرنے کی مستعدی' چستی اور پھرتی میرے اندر افغانوں سے بہت زیادہ ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ ساری افغان قوم بھی معیشت کے کاموں کے لئے مستعد بن جائے۔ یورپ والے آدھی رات تک بھاگتے رہتے ہیں۔ اس واسطے صبح دیر سے بیدار ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کو بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ دیر سے بیدار ہونا' ایک دن ان کے زوال کا باعث ہوگا۔ جو قوم جلدی بیدار ہوتی ہے' وہ اقبال مند ہے اور جو صبح دیر تک سوتی رہتی ہے۔ اُس کا اقبال اگر موجود ہے تو سمجھ لینا چاہئے وہ موجود نہیں رہے گا۔ افغان تو ابھی ایشیا کی اُن قوموں میں ہیں جو صدیوں سے سو رہی ہیں۔ اُن کو تو اب بیدار ہو جانا چاہئے''۔ ❀

# اسلامی معاشرہ میں نظریۂ توحید کو اساس اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے

## قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان کے پاس جو بھی مال و دولت ہے وہ اس کا مالک نہیں ہے بلکہ امین ہے

## جو لوگ فضول کاموں اور نام و نمود کے لئے اپنا مال لٹاتے ہیں' قرآن انہیں شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے

## مغربی سوچ کے مطابق انسان اپنے افعال میں آزاد ہے یعنی وہ جیسے چاہے اپنی زندگی گزارے

## دورِ حاضر کی مادر پدر آزاد مغربی تہذیب کے پیچھے دراصل یہود کا شیطانی ذہن کارفرما ہے

**مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کے 25 جولائی 2003ء کے خطاب جمعہ کی پریس ریلیز**

تین جمعوں کے فصل کے بعد آج ہم دوبارہ سورۂ بنی اسرائیل کے مطالعہ کا آغاز کر رہے ہیں۔ اب تک ہم سورۂ بنی اسرائیل کے تین رکوعوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ آج ہم دوبارہ تیسرے رکوع کا مطالعہ کریں گے تاکہ اس رکوع کے مضامین مستحضر ہو جائیں اور جو ہم مضامین پچھلی بار بیان ہونے سے رہ گئے تھے ان کا احاطہ بھی ہو سکے۔ تیسرے اور چوتھے رکوع کے بارے میں عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ یہ تورات کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تیسرے اور چوتھے رکوع میں دراصل اس صراطِ مستقیم کے خدوخال بیان ہوئے ہیں جس کی طرف یہ قرآن دعوت دیتا ہے۔ خاص طور پر اس بات کی رہنمائی دی گئی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر جب ایک معاشرہ وجود میں آئے گا تو اس کی قدریں اور اصول کیا ہوں گے؟ اس معاشرے میں کن اقدار کو فروغ دیا جائے گا۔ کن چیزوں کا سدِ باب کیا جائے گا؟

تیسرے رکوع کے آغاز میں اور چوتھے رکوع کے اختتام پر بھی عقیدۂ توحید پر زور دیا گیا ہے۔ دراصل ایک اسلامی معاشرہ میں نظریۂ توحید کو اساس اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں پورا معاشرتی ڈھانچہ اسی محور کے گرد گھومتا ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام ہو یا معاشی نظام' سماجی نظام ہو یا معاشرتی نظام' سب اسی نکتۂ توحید کی تفسیریں ہیں' اور اس کے ساتھ منطقی طور پر مربوط ہیں۔ اس رکوع کے مطابق نظریۂ توحید کے بعد اسلامی معاشرہ میں احترامِ والدین اور ادائیگی حقوق کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے جبکہ مغربی تہذیب اس کے برعکس غلط اور غیر فطری اقدار کی ترویج کے ذریعے فطرتِ انسانی کو مسخ کرنے کے درپے ہے۔ مغربی تہذیب الحاد' مادہ پرستی اور ذاتی مفادات کے حصول جیسے اصولوں سے عبارت ہے' جبکہ اسلامی تہذیب و معاشرت میں افراد میں ادائیگی حقوق کا جذبہ بیدار کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اللہ کا حق سب سے مقدم ہے کہ اس کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا جائے۔ اس کے بعد حقوق العباد کا معاملہ نہایت اہم ہے جس میں والدین کا حق سب سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح معاشی میدان میں قرآنی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے پاس جو بھی مال و دولت ہے وہ اس کا مالک نہیں بلکہ امین ہے اور اس کے حوالے سے اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہے۔ اگر کسی شخص کو اللہ نے اس کی ضرورت سے زائد مال و دولت عطا فرمایا ہے' تو یہ اضافی مال دراصل معاشرے کے محروم طبقات کا حق ہے۔ اسلامی معاشرے کے دولت مند طبقے کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا اضافی مال فضول کاموں اور تبذیر میں لٹانے کی بجائے معاشرے کے نادار طبقات اور اپنے غریب رشتہ داروں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔ وہ لوگ جو تبذیر کرتے یعنی فضول کاموں اور نام و نمود کے لئے اپنا مال لٹاتے ہیں انہیں قرآن نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبذیر کے نتیجے میں معاشرے کے غریب اور نادار طبقات میں احساسِ محرومی بڑھ جاتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ کے خلاف شدید بغض اور نفرت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ اس طرح معاشرہ بدترین طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جاتا ہے۔ جبکہ مغربی سوچ کے مطابق انسان اپنے افعال میں آزاد ہے' وہ جیسے چاہے مال کمائے' جیسے چاہے اپنا مال خرچ کرے' اور جیسے چاہے اپنی زندگی گزارے۔ اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ مغربی تہذیب اور معاشرت میں انسانی رشتے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ والدین اور اولاد جیسے رشتے بھی مادہ پرستانہ ذہنیت اور ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھ کر اپنا تقدس و احترام کھو بیٹھے ہیں۔ آج کی مادہ پرستانہ سوچ یہ ہے کہ زندگی کو پرلطف اور پرمسرت بنانے میں اگر اولاد رکاوٹ بنتی ہو تو انہیں آیاؤں کے سپرد کر دو اور بوڑھے والدین اگر رکاوٹ بنیں تو انہیں اولڈ ہومز کے حوالے کر دیا جائے۔

دورِ حاضر کی مادر پدر آزاد مغربی تہذیب کے پیچھے دراصل یہود کا شیطانی ذہن کارفرما ہے' جنہوں نے انسانیت سے اپنی دو ہزار سالہ محرومیوں کا بدلہ لینے کے لئے یہ خلافِ فطرت اور شرم و حیا سے عاری تہذیب تشکیل دی ہے تاکہ انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کر کے حیوانِ محض بنا دیا جائے۔ افسوس آج ہم مسلمان بھی اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو چکے ہیں اور ہم نے یورپ و امریکہ کو اپنا معاشرتی قبلہ بنا لیا ہے۔ اگر ہم نے اپنی اصل کی طرف رجوع نہ کیا تو ہمیں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

### تربیت گاہ برائے ملتزم رفقاء

رفقاء نوٹ فرما لیں کہ **14** تا **20** ستمبر بمقام مرکزی دفتر تنظیم اسلامی **A-67** علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو' لاہور میں ملتزم تربیت گاہ منعقد کی جا رہی ہے۔

نوٹ: امراء/ ناظمین حلقہ جات شرکاء کے بارے میں **6** ستمبر تک لازماً مطلع فرما دیں۔

# داخلی امن و استحکام کی حقیقی بنیاد

تحریر: مرزا ایوب بیگ

پاکستان کو یقیناً خارجی سطح پر بہت سے خطرات درپیش ہیں اور بے شک بھارت وطن عزیز کا ازلی دشمن ہے۔ نصف صدی گزرنے کے باوجود اس نے حقیقت کے اعتبار سے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا۔ اکھنڈ بھارت کا خواب تو تقسیم کے دوسرے دن ہی سے بھارت کے رہنما دیکھ رہے ہیں اور کبھی کنفیڈریشن کا شوشا بھی چھوڑا جاتا ہے۔ 1971ء میں پاکستان کو دولخت کرنے کو بھارت نے اپنی عظیم کامیابی قرار دیا اور اصل ہدف کی طرف پہلا قدم قرار دیا۔ حال ہی میں اپنی فوجیں کیل و کانٹے سے لیس کر کے سرحدوں پر لے آیا تھا اور تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ امریکہ دوستی کے نام پر جڑیں کاٹ رہا ہے پاکستان کے اس ازلی دشمن کو جدید ترین اسلحہ سے خود بھی لیس کر رہا ہے اور اسرائیل کو بھی کھلی چھٹی دی ہوئی ہے کہ بھارت کو جیسا چاہو فوجی ساز و سامان فروخت کرو۔ وہ ریڈار سسٹم جو امریکہ نے اسرائیل کو چین کے ہاتھوں فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی وہ بھی بھارت کو فروخت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ روس بھی کبھی ہمارا دوست نہیں رہا بلکہ بھارت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچانے میں اس نے کبھی جھجک محسوس نہیں کی۔ ایران کو ہم نے اپنی حماقتوں سے اپنے دشمن کا دوست بنادیا اور وہ بھارت سے دفاعی معاہدے کر رہا ہے۔ طالبان دور میں ہماری شمال مغربی سرحد محفوظ ہوئی تھی لیکن ''سب سے پہلے پاکستان'' کی پالیسی نے افغانستان میں پاکستان دوست حکومت کو تہس نہس کر دیا اب اس سرحد کی حفاظت کے لئے بھی کثیر فوج کا تعین ناگزیر ہوگیا ہے۔ کیونکہ افغانستان میں حکومت ایک ایسے شخص کی ہے جو ''کرزئی'' تو پیدائشی تھا ہی اس نے افغان غیرت وحمیت کو بھی امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا ہے اور وہ امریکہ کی پشت پناہی کی وجہ سے پاکستان پر افغانستان کے علاقے میں داخل ہونے اور طالبان کی مدد کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود راقم کا ایمان ہے اور اس کا اظہار درجنوں مرتبہ اس کالم میں کیا جا چکا ہے کہ بھارت' امریکہ' اسرائیل' روس' افغانستان یا دنیا کا کوئی بھی ملک پاکستان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر پاکستان میں سیاسی استحکام ہو مارشل لاؤں کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو جائے۔ سیاست دانوں میں اختلافات ہوں' دشمنی اور عناد نہ ہو۔ قانون کی حکمرانی ہو اور عدلیہ حکومتی دباؤ اور نظریہ ضرورت سے نجات حاصل کر سکے۔ پولیس ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ کی سرپرستی چھوڑ کر صحیح معنوں میں عوام کی محافظ ہو۔ بیوروکریسی کے دماغ سے لاٹ صاحب ہونے کا خناس زائل ہو جائے۔ تاجر تجارت کریں' عوام کی جیبوں پر شب خون نہ ماریں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ مذہبی رہنما اپنے حقیقی فرائض کو سمجھیں اور اقتدار کی دوڑ میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر حصہ نہ لیں۔ آیئے دیکھیں ان سب حوالوں سے پاکستان میں داخلی سطح پر کیا ہو رہا ہے جہاں تک سیاسی استحکام کا تعلق ہے' ایک ڈرامہ ہے جو بار بار سٹیج کیا جا رہا ہے صرف کردار تبدیل ہوتے ہیں کہانی اور مکالمے ایک جیسے رہتے ہیں' قیامِ پاکستان کے بعد سول حکومت قائم ہوئی لیکن قائداعظم کی وفات کے ساتھ ہی محلاتی سازشوں کا آغاز ہو گیا سیاست دان باہم گتھم گتھا ہوتے رہے اور فوجیوں کو مداخلت کی دعوت دیتے رہے آخر 7/اکتوبر 1958ء کو فوج نے قبضہ کر لیا۔ فوجی حکمران نے کچھ عرصہ مارشل لاء پر گزارا کیا پھر کانٹ چھانٹ کر ایسی سیاسی حکومت' ایسا آئین اور ایسا نظام لایا جس میں اس کی ذات اور اقتدار کو بقا حاصل ہو۔ جمہوریت کے نام پر فراڈ کیا اور اس کا نام بنیادی جمہوریت رکھا لیکن یہ جمہوریت' یہ نظام' یہ آئین اس کی ذات کے ساتھ بہہ گیا۔ 1971ء میں ملک دولخت ہونے سے فوج کے وقار پر حرف آ گیا پہلی بار عوام نے فوج کے خلاف نعرے بازی کی تو اقتدار عوام کے نمائندے بھٹو کے سپرد کر دیا گیا۔ بھارت کے ہاتھوں عبرتناک شکست کی وجہ سے سیاسی سطح پر کچھ دیر سکون رہا۔ پھر محلاتی سازشوں کا آغاز ہوا۔ بھٹو کے خلاف تحریک چلائی گئی بھٹو چونکہ سیکولر ذہن رکھتا تھا لہٰذا تحریک کو اسلامی لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ اور اس اینٹی بھٹو تحریک کا نام نظامِ مصطفیٰ رکھا گیا لیکن جب 5 جولائی 1977ء کو ضیاء الحق نے مارشل لاء لگایا تو تحریک نظام مصطفیٰ ختم کر دی گئی۔

ضیاء الحق نے بھی وہی کھیل کھیلا' کچھ دیر مارشل لاء کے سہارے حکومت کی پھر غیر جماعتی جمہوریت کے نام سے برادریوں اور قومیتوں کی بیساکھیوں پر ایک جھوٹی اور مصنوعی جمہوریت قائم کر دی اور 1973ء اور آئین کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ وہ نہ پارلیمانی رہا نہ صدارتی۔ یہ نظام بھی C-130 کی نذر ہو گیا۔

ایک بار پھر سیاست دانوں کو موقع ملا۔ اس مرتبہ انہوں نے تمام حدود پھلانگ لیں اور جاہل عورتوں کی طرح آپس میں لڑتے رہے۔ دنیا نے پہلی بار جمہوریت کا فری سٹائل دیکھا جس کے لئے سرے سے کوئی قانون یا ضابطہ نہیں تھا۔ اس فری سٹائل لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ 12/اکتوبر 1999ء کو دونوں جنگجوؤں کو اٹھا کر اکھاڑے سے باہر پھینک دیا گیا اور اکھاڑے کا محافظ اکھاڑے پر قابض ہو گیا۔ ایک بار پھر فوجی دور شروع ہوا۔ جنرل مشرف کے ارادے بڑی طویل حکومت کرنے کے تھے لیکن عالمی حالات کی وجہ سے انہیں ایک جعلی جمہوری حکومت پاکستان میں قائم کرنی پڑی۔ اس جعلی جمہوریت کے قیام کے لئے فوجی حکمرانی کے دور میں نیب کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جس نے صنعت کاروں' تاجروں اور سرکاری ملازموں کے معاملے میں تو اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور جس کسی نے حکومت کا مال کھایا تھا اس سے یہ مال نکلوا لیا۔ لیکن سیاست دانوں کے معاملے میں ایک تفریق قائم کی جو مشرف حکومت کے حق میں کلمہ خیر کہہ دیتا اس کا کھایا پیا سب معاف ہو جاتا۔ یوں ایک سرکاری مسلم لیگ وجود میں آ گئی۔ جو مسلم لیگ (ق) کا نام سے آج حکومت کر رہی ہے لیکن جنرل مشرف نے ایک ہی ہلہ میں آئین میں بزور شمشیر انتیس عدد ترامیم کر ڈالیں جس سے طاقت کا توازن ایک مرتبہ پھر صدر کے حق میں اس طرح ہو گیا ہے کہ مسخ شدہ 1973ء کا آئین اب پارلیمانی کم اور صدارتی زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں وطن عزیز میں ادارے کس حال میں ہوں گے۔ پارلیمنٹ صدر کے سامنے بے بس ہے اور وہ عوام کو جواب دہ کس طرح ہو سکتی ہے۔ عدلیہ میں نظریہ ضرورت ننگا ناچ ناچ رہا ہے۔ عدلیہ توہین عدالت کے سخت سے سخت قوانین لا کر اپنا وقار بلند کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے کے بعد عدلیہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ صدر کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کر سکے کہ وہ دونوں اب ایک ہی کشتی

کے سوار ہیں۔ انتظامیہ حکومتی گھر (جس میں صدر کا حقیقی اور چوہدری برادران کا ظاہری قبضہ ہے) کی ایک ادنیٰ کنیز ہے جسے قانون نہیں حکمرانوں کا حکم لاگو کرنا ہے۔ پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیاں نواز شریف اور بے نظیر کے جیالوں اور متوالوں کے پیچھے لگی ہوئی ہیں لہٰذا ڈاکوؤں' چوروں' فرقہ وارانہ تخریب کاری اور دہشت گردی کرنے والوں کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ جیلوں میں غنڈوں کی داد گیری اور منشیات کا کاروبار اپنے عروج پر ہے۔ سانحہ کوئٹہ اور سانحہ سیالکوٹ حالات کی صحیح تصویر پیش کر رہے ہیں۔ عبادت گاہیں غیر محفوظ ہیں اور انسانوں کا مقتل بن چکی ہیں۔ ججوں کا قتل عام جس طرح پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں ہوا ہے مہذب دنیا میں اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔

تعلیم اور صحت کسی مذہب معاشرے کے اہم ترین شعبے ہیں۔ یہ دونوں شعبہ جات خدمت سے متعلق ہیں لہٰذا نئی دنیا میں جب کمرشلائزیشن نے زور پکڑا تو مغربی دنیا نے سوشل ویلفیئر کے تحت عوام کو تعلیم دینا اور علاج کی سہولتیں مہیا کرنا اپنے ذمہ لے لیا تاکہ ایک طرف اساتذہ اور ڈاکٹروں کا معاشی استحصال نہ ہو اور دوسری طرف کوئی شہری غربت کی وجہ سے علم اور صحت جیسی نعمت سے محروم نہ رہے۔ آج پاکستان میں علم فروشی اور مریضوں کی درگت بنانے کا کاروبار اپنے عروج پر ہے۔ مریض ہسپتالوں میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے مگر ڈاکٹرز ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ سرکاری ہسپتالوں میں معمولی نوعیت کی دوا دستیاب نہیں اور پرائیویٹ ہسپتال فائیو سٹار ہوٹلوں کو مات دے رہے ہیں۔ اسی طرح تعلیم کے شعبہ میں سرکاری سکولوں میں ٹاٹ ہیں تو پنکھا نہیں اور کہیں کہیں تو صرف سکول کی عمارت ہے' فرنیچر ہے نہ ٹیچر۔ گھوسٹ سکولوں کا تصور صرف وطنِ عزیز پاکستان میں پایا جاتا ہے پرائیویٹ تعلیمی ادارے فرنشڈ بھی ہیں اور ایئر کنڈیشنڈ بھی لہٰذا اچھی تعلیم امراء کے ایک طبقہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے جہاں لاکھوں روپے سالانہ فیس ہے۔

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک دو مرتبہ لیبر پالیسی آئی ان پر بھی کبھی عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ صنعتی دنیا میں لوٹ مار کا سماں ہے اکثر مواقع پر مزدوروں کے حقوق دبائے نہیں گئے' ختم کر دیئے گئے ہیں اور ان سے جانوروں سے بدتر سلوک ہو رہا ہے لیکن جہاں کہیں مزدوروں کا بس چلتا ہے وہ بھی کم نہیں کرتے۔ عوام دفاتر میں دھکے کھاتے ہیں کوئی پرسانِ حال نہیں۔ اسی کا حق افضل ہے جو مال خرچ کرتا ہے۔ تھانے بکتے ہیں۔ ان کی باقاعدہ بولیاں لگتی ہیں اور یہ متبرک رقم اعلیٰ ترین سطحوں تک مار کرتی ہے۔ تھانہ اور عدالت جہاں سے عوام کو ریلیف ملنا چاہئے عوام کے لئے دہشت کے مقامات ہیں۔ سرکاری ملازم دفاتر میں یوں جاتے ہیں اور یوں ڈیل کرتے ہیں جیسے دکاندار دکانوں اور شاپنگ پلازوں میں کرتے ہیں۔ ایک شہری کو اپنا حق خریدنا پڑتا ہے باقاعدہ لے دے ہوتی ہے کمی بیشی کی جاتی ہے اور سودا طے پا جانے پر شہری اپنا حق حاصل کرتا ہے۔ محکمہ جاتی قوانین ایسے بنائے گئے ہیں' ٹیکسوں کی ایسی شرحیں قائم کی گئی ہیں کہ کوئی قانون کا تقاضا پورا نہ کر سکے۔ پاکستان کے کسی کونے میں چلے جائیں یہ جملہ آپ کو سننے میں ملے گا

"یہ پاکستان ہے یہاں سب چلتا ہے"۔

راقم کو یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا کہ بدترین کردار مذہبی رہنما ادا کر رہے ہیں خصوصاً ایسے مذہبی رہنما جو سیاست کے کوچہ کے کھلاڑی ہیں انہوں نے پاکستان کو شدید نقصان پہنچایا ہے اگرچہ راقم کی نظر میں سیاست میں حصہ لینا ہر شہری کا حق ہے۔ انتخابات میں حصہ لینا بھی حرام قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن عام سیاست دانوں کی طرح اقتدار کی دوڑ میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر دوڑنا کبھی کسی سے اتحاد' کبھی کسی سے ملاپ۔ اس ضرب المثل کا حوالہ دے کر کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ ناجائز سیاسی حربے استعمال کرنا۔ نفاذِ اسلام کے نعرے لگانا لیکن سیکولر اور اسلام دشمن قوتوں سے اتحاد کرنا اور اہم ترین بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اپنے اصلی اور حقیقی فریضے کی ادائیگی کو ترک کر دینا ہمارے مذہبی رہنماؤں کا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس جرم کی اگر انہوں نے تلافی نہ کی تو یہ قوم اور رہنما دونوں قدرت کی بدترین سزا سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ قصہ مختصر قوم کو بحیثیت مجموعی رجوع اور توبہ کرنے کی ضرورت ہے وگرنہ ملکی حالات جو انتہائی سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو سکیں گے۔ ایک بٹی ہوئی منتشر قوم جس میں لاقانونیت عام ہو' جہاں انصاف قابلِ فروخت شے ہو' جہاں تعلیم اور صحت کی سہولتیں صرف امراء تک محدود ہوں' وہ قوم خارجی خطرات کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکے گی اور ان کے لئے تر نوالہ ثابت ہو گی۔ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کا انحصار اس کے داخلی استحکام پر منحصر ہے۔ ایمان' اتحاد اور تنظیم یقیناً ایسی قوت ہے جو خارجی دشمنوں کے دانت کھٹے کر سکتی ہے وگرنہ ایٹمی میزائل دھرے رہ جاتے ہیں اور ملک شکست و ریخت سے دوچار ہوتے ہیں داخلی طور پر متحد اور پرامن پاکستان یقیناً ناقابلِ تسخیر ہو گا۔ ہمیں یاد رکھنا ہو گا کہ امن ایمان سے ہے اور حقیقی سلامتی اسلام سے ہے یہ ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ انہیں جدا نہیں کیا جا سکتا۔


فلسطین نمبر' اقبال نمبر' عراق نمبر کے بعد

"ندائے خلافت" کی نئی دستاویزی پیشکش

# نظریۂ پاکستان نمبر

مرتبہ: سید قاسم محمود

- نظریۂ پاکستان کیا ہے؟ یہ دو قومی نظریے سے کیوں مختلف ہے؟
- برعظیم پاک و ہند میں نظریۂ پاکستان کا ارتقاء کیونکر ہوا؟
- نظریۂ پاکستان کے برعکس نظریے "ہندومت" کا تعارف
- ہندوؤں نے ایک ہزار سال کی تاریخ میں مسلمانوں کو کیا دیا؟
- اور مسلمانوں نے ہندوؤں کو کیا دیا؟
- اور دوسرے بہت سے گوشے جن کی نقاب کشائی اس خاص نمبر میں پہلی مرتبہ کی جا رہی ہے

## نظریۂ پاکستان نمبر

14 راگست کو شائع ہو رہا ہے ان شاءاللہ۔

مشتہرین اپنے اشتہار اور ایجنٹ حضرات 5 راگست تک اپنے آرڈر بک کرا لیں

# اب جہاد واقعی ناگزیر ہو چکا ہے

تحریر : سید قیصر علی

جہاد جو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے اس کا لغوی معنی کسی بھی کام کے لئے پوری کوشش اور جدو جہد کرنا ہے قرآنی مفہوم میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دشمن سے مدافعت کرنے میں جان و مال و قلم غرضیکہ ہر طرح کی توانائی کے خرچ کرنے کو جہاد کہا گیا ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی تعمیل کرنا ہی جہاد ہے۔ اگر سوچا جائے تو مومن کی پوری زندگی ہی جہاد سے عبارت ہے ہمارا ہر عمل یا تو جہاد ہوگا اور یا پھر فساد۔ اب اگر زندگی اور جہاد کے باہمی ربط اور اس کلمہ کی ہمہ گیریت پر غور کریں تو کئی احادیث سمجھ میں آنے لگتی ہیں مثلاً علم کے حصول کے لئے عالم جب گھر سے قدم نکالتا ہے یا ایماندار تاجر تو جب تک وہ گھر نہ پہنچے حالت جہاد میں ہے۔''

حضور اکرم ﷺ جنگ تبوک میں فتح پانے کے بعد واپس لوٹ رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا ''آؤ اب جہاد صغریٰ سے جہاد کبریٰ (بڑا جہاد) کی طرف چلیں۔'' فطرتی بات تھی اصحابؓ نے سوال کیا کہ ہم ابھی تو جہاد سے فارغ ہوئے ہیں۔ پھر اس جہاد کبریٰ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا ''اپنے نفس کے خلاف جنگ'' یہی وہ جہاد ہے جس کا ہمہ وقت جاری رہنا ضروری ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس سے مومن کا آنے والا کل اس کے گزرے ہوئے کل سے بہتر بنتا ہے یہی وہ جہاد ہے جسے مسلمان جس دن چھوڑ دیں گے ذلیل ہو جائیں گے۔'' ہر سرداری کا راز اسی جہاد سے وابستہ ہے۔ بقول علامہ ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو ترے پاس وہ ساماں بھی ہے!

ہمیں جمعۃ المبارک کے خطبات میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جہاد (بمعنی قتال) اس لئے ضروری ہے کہ جب مسلمان اسے چھوڑ دیتے ہیں تو دوسری قومیں ان پر غالب آجاتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دشمن غالب اس وقت آنا شروع ہوا جب مسلمانوں کا امانت و دیانت' حریت و اخوت اور اللہ پر یقین کمزور ہوتا گیا۔ تقویٰ (گناہوں سے بچنا) جو کہ مقصد تھا اسے پس پشت ڈال کر گناہوں کی پرستش سے بچنے کی اسلوب اور short cuts سمجھائے جانے لگے۔ ملوکیت کے جونیئر پارٹنر کے طور پر بھی درباری علماء کا طرزِ عمل انتہائی پست درجہ تھا اکبر اعظم نے جب پانچواں نکاح کرنا چاہا اور فتویٰ مانگا تو اسے کہا گیا کہ وہ 9 شادیاں کر سکتا ہے (سورۃ النساء کے الفاظ تم کر سکتے ہو 2' 3 یا 4 تک۔ سب کو جمع کر کے) ؏

اے کشتہ سلطان و پیری و ملائی

پتہ نہیں کیوں ہمیں جہاد کے پورے معنی نہیں بھاتے شاید اس لئے کہ اس پر عمل کا پہلا مرحلہ ہی بہت تکلیف دہ ہے یعنی خود کو بدلنا' ذات کو بہتر بنانا حالانکہ یہی ہماری اوّلین ضرورت ہے کہ مسلمان باعمل اور باکردار ہو جائیں یعنی اپنی روزمرہ زندگیوں میں جہاد پر عمل پیرا ہو جائیں' جبر و افلاس کا خاتمہ اور جہالت کے اندھیرے دور ہو جائیں اور معاشرتی عدل قائم ہو جائے۔ آخر ہمارے مذہبی رہنما اس کے لئے خصوصی جہاد کیوں نہیں کرتے' کیوں صبح و شام اس جہاد کی ضرورت پر زور نہیں دیتے۔ اگر زور ہے تو جہاد بالسیف پر جس سے اپنے یا پرائے قتل ہوتے رہیں۔ عجیب بات ہے ہمارے ہادی ﷺ کا طرز عمل اس سے کافی مختلف تھا آپ کے 23 سالہ جہاد کے دوران جس کے نتیجے میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے زندگی کے ہر شعبے کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا۔ اس میں جانی نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ محض 259 اصحاب اور کل 659 کفار۔ یہ انسانی تاریخ کا واحد انقلاب ہے جسے حقیقتاً غیر خونی انقلاب کہا جا سکتا ہے۔ بحیثیت عاشقانِ رسول ﷺ (جس کا دعویٰ ہم سب رکھتے ہیں) ہمارا جہاد کا ماڈل بھی اسی طرح کا ہی ہونا چاہئے۔ شاید صحیح جہادی بننا بھی ؎

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ہی کی طرح ہے اور پھر جہاد بمعنی قتال خود کوئی مقصد تو نہیں ہے۔ مقصد تو ظلم کا خاتمہ کرنا اور زمین پر اللہ کے نظام کو قائم کرنا ہے تو اس کی تو قدرتی شروعات ہی اپنی ذات اور اپنی مملکت ہی سے ہونا چاہئے۔ ہم خود باعمل بن جائیں ملک میں اسلامی فلاحی نظام رائج کریں تاکہ ہر طرف اخوت و مساوات' رواداری اور احتساب کی اقدار نظر آنے لگیں۔ یہ صرف جہاد بالنفس ہی سے ممکن ہی علماء کا سارا زور فی الحال اسی پر ہونا چاہئے ورنہ ایک کام کیا تو اس نیت سے جا رہا ہو کہ امت کا فائدہ ہوگا' الٹا نقصان ہو جائے۔ یہ صحیح ہے کہ حق ہر حال میں حق ہے تاہم مقصد اولیٰ کا حصول ہمہ وقت پیش نظر رہنا چاہئے۔ ہادی برحق ﷺ نے حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ کو ننگی پیٹھ ریت پر چلتے دیکھ کر صبر کیا۔ 3 سال خفیہ تبلیغ کی اسی خانہ خدا میں 365 بتوں کے درمیان نماز ادا کرتے رہے۔ مکہ میں 13 سالہ دعوت اسلام میں آپ کا زور اصحاب کی تربیت و کردار سازی پر رہا تاکہ یہ جماعت کسی معرکہ حق و باطل میں پیٹھ نہ پھیرے۔ صبر و تحمل کا دامن اس وقت بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جب حضرت یاسر اور اس کی بیوی کو سخت ترین اذیتیں دے کر شہید کیا گیا اور جب چند جوشیلے مسلمانوں نے کہا کہ وہ رات کو کعبہ میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالیں گے۔ ظاہر ہے دونوں گروہوں میں طاقت کا کوئی توازن نہ تھا۔ نتیجہ آپ کے ساتھیوں کی ہلاکت ہی ہوتا۔ بت پرستی ویسے کی ویسے ہی قائم رہتی۔'' فرمایا صبر کرو۔ بھیڑیئے بھیڑوں کے ریوڑ کے نگہبان بن جائیں گے لیکن تم ہو کہ عجلت کا شکار ہوئے جاتے ہو۔'' پچھلی صدی میں اس وقت جبکہ تقریباً سارے عالم اسلام پر مغربی استعمار کی حکمرانی تھی ایک عظیم برطانوی دانشور جارج برناڈ شا نے کہا کہ اگر مغربی دنیا اگلے سو برس میں کوئی مذہب قبول کر سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہی ہوگا۔ کاش مسلمانوں نے کچھ دھیان کردار سازی کی طرف بھی دیا ہوتا؟ کردار کے حوالے سے کوئی قابل تقلید نمونہ پیش کرنے سے عاجزی کے باوجود روحانیت سے عاری مغربی عوام جس تیزی سے مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں وہ واقعی حیران کن اور اسلام کی حقانیت کا معجزہ ہے۔ پورے یورپ میں تقریباً ہر ملک میں سرکاری اعداد کے مطابق اسلام دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے۔ باوجود صدیوں کی اسلام دشمنی کے جو مغربی حکومتوں کا بوجوہ وطیرہ بن چکا ہے۔ باوجود سخت مخالفین کے یہ صرف وقت اور مہلت کی بات تھی کہ برناڈ شا کی پیشنگوئی کو کتنا وقت پورا ہونے میں لگتا ہے۔ ویسے بھی سوچنے کا مقام ہے کہ اگر دعوت کے راستے کھلے ہوں تو کون مفتی یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ جہاد بمعنی قتال جائز ہے؟ بعض جذباتی لوگ ناسمجھی میں ناممکن کو ممکن بنانا اور خلوص نیت سے ہر قربانی اور قتل و غارت کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہ شریعت الٰہیہؐ سے بے خبری کا شاخسانہ ہے۔ فضا ہموار ہونے سے پہلے ٹکر لینا اور قوتوں کو ضائع کر دینا حکمت و مصلحت کے منافی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا جہاد زندگانی اللہ تعالیٰ کے قوانین (i) قانون بتدریج اور (ii) وقت معین کے لئے مشعل راہ ہے۔ جب کفار ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے تو ان کا پلان یہی لگتا تھا کہ مسلمانوں کو اس حد تک عاجز کر دیا جائے کہ یہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں تاکہ پھر آسانی سے قبائلی قوانین کے اندر رہتے ہوئے ان کا صفایا کر دیا جائے۔ آپ صبر اختیار کر کے محاذ آرائی سے بچتے رہے۔ بجائے مرنے مارنے کے مسلمانوں کو بچا بچا

کریمؐ حبشہ اور مدینہ بھجواتے رہے۔ جہاد بالسیف آپ اسی وقت کرنا چاہتے تھے جب مسلمانوں کے لئے جہاد جیتنے کہ اگر زیادہ وہیں تو مساوی مواقع ضرور ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں عقل کو خوبصورت ترین شے کہا گیا ہے ایک آدمی عقلاً ایک ہزار کے مدمقابل نہیں ہوسکتا۔ جب حق کے پیروکار قوت وعزیمت میں ہوں اس وقت معرکہ حق و باطل اگر بپا ہو جائے تو قرآن کے مطابق ایک مسلم 10 کفار تک سے مقابلہ کر سکتا ہے ورنہ عمومی پیمانہ 2:1 ہے۔ حضور ﷺ نے کفار سے رزم آرائی اس وقت شروع کی جب تناسب 3:1 ہو گیا (بدر اور احد) جنگ بدر میں فتح کے لئے دعا بھی مانگتے رہے کہ آج اگر یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو روئے زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا یعنی جہاد کا مقصد بھی یہی تھا کہ زمین پر اللہ کا فرمان جاری ہو سکے اس کے لئے فتح وکامرانی ضروری تھی۔ جنگ احزاب میں 10 ہزار کے لشکر کفار کے مقابلے میں مسلمان 3 ہزار کے لگ بھگ تھے پھر انہی میں کچھ منافقین بھی شامل تھے۔ پس آپؐ نے کھلے میدان میں مقابلے سے اجتناب کیا۔ مقصد پر نظر تھی لہٰذا قوت کو بچانا ہی اس وقت مطمح نظر ٹھہرا۔ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمان زیادہ طاقتور تھے لیکن آپؐ نے غیر ضروری کشت وخون سے بچنا ہی مناسب سمجھا حالانکہ شرائط پر اصحاب کو سخت اعتراض تھا اور پھر چشم فلک نے بغیر خونریزی کے مکہ کو فتح ہوتے' مقصد کو پورا ہوتے ہوئے یعنی اسلام کو غالب آتے دیکھا۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی چہیتی قوم ہونے کے ناتے خود کو کائناتی احتساب سے بری سمجھتے ہیں اور ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ نتائج کا اعمال سے کوئی تعلق نہیں اس کے باوجود کہ رب کائنات بار بار کہہ رہا ہے کہ "we donot punish any body save the ungrateful"(17:34) (اللہ عذاب اسی وقت دیتا ہے جب قومیں ناشکر گزاری کرنے لگتی ہیں) مسئلہ ہمیں سمجھانے والوں اور ہماری سمجھ کا ہے اور ہم ہیں بھی بہت سادہ۔ مومن خان مومن نام رکھ لینے سے خود کو واقعی مومن سمجھتے ہیں حالانکہ مومن تو بننا پڑتا ہے امروز کی بدحالی کو تمناؤں اور دعاؤں سے بدلوانا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے تو ممکن نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اسی کے لئے آئے گی جو قوانین فطرت کے مطابق اس کا اہل ہوگا اور اس کا اہل بننے کی ہر کوشش جہاد کبریٰ سے شروع ہوتی ہے بقول علامہ

تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے!

دین کے روایتی پیشواؤں کا سارا زور ظواہر پر نظر آتا ہے ورنہ ہر وہ قوم جو ستاروں پر کمند ڈالنے کا ارادہ رکھتی ہے پہلے خود کو کچھ اقدار کا پابند بناتی ہے (ورنہ کچھ بھی کرنا ممکن ہے) وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سیاسی طاقت وقوت کا مختصر ترین راستہ مغرب کی مخالفت میں ہے سارا زور جلسے' جلوسوں اور نعرہ بازی پر ہے اور اگر بس چل جائے تو معصوم عوام کو مروانے والے جہاد پر ہیں حالانکہ اس طرز عمل کے نتائج افغانستان اور عراق والے ہی نکلیں گے۔ ہمیں سمجھنا یہ ہے کہ آج عالم اسلام کی سب سے بڑی کمزوری حقائق سے منہ چھپانا ان کا سامنا نہ کرنا' خوابوں کی دنیا میں رہنا۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پر سر دھننا' اپنے گریبان میں نہ جھانکنا اور ہر خرابی غیروں پر ڈال دینا وغیرہ وغیرہ نے ہمیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ سفر کا آغاز (جہاد) صحیح سمت میں شروع کر سکیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا طرز عمل اس سے بالکل مختلف تھا اور سخت قسم کے حقیقت پسند (Pragmatist) تھے۔ برصغیر میں شاہ ولی اللہ پہلی شخصیت تھے جنہوں نے واضح اجتہاد کیا کہ میدان جنگ میں مسلمانوں کی جیت ضروری ہے ورنہ اگر سیاسی قوت ہاتھ سے نکل گئی اور ''کفر کا غلبہ ہو گیا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور پھر جلد ہی ایسا وقت آ جائے گا جب کوئی بھی مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز نہ کر پائے گا۔'' سیدھی بات ہے جس سسٹم (نظام) کے پاس قوت ہوگی وہ خلق خدا کو اس نظام کی طرف ہنکا کر لے جا سکتا ہے آپ بھلے نہ مانیں مسلمان آج مغرب کی نہ صرف سیاسی اور معاشی بلکہ ذہنی غلامی کا بھی شکار ہو چکے ہیں۔

کشش ثقل کے حصار کو توڑ کر قرآن نے ایک چیلنج سے تعبیر کیا ہے اور اس کے لئے سلطان یعنی طاقت کی ضرورت ہے جس حصار میں امت مسلمہ اس وقت گھری ہوئی ہے وہ Globalisation/imperialism سے عبارت ہے۔ اس حصار کو توڑنا بھی بغیر طاقت وقوت حاصل کئے ممکن نہیں۔ یہ قوت ایٹم بم نہیں (حالانکہ وہ بھی قوت کا ایک لازمہ ہے) حق تو یہ ہے کہ آج بھی جہاد کا اصل میدان امت مسلمہ کے اندر ہی ہے جہاں 60 فیصد لوگ ناخواندہ ہوں۔ کیا سب سے افضل جہاد انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنا نہ ہوگا۔ عالم اسلام کو ایک مکمل فکری اور کلچرل انقلاب کی ضرورت ہے جو دوسرے تمام انقلابات کے لئے راہ ہموار کر سکے تاکہ قوت کا حصول ممکن بن سکے اور قوت اس لئے ضروری ہے کہ اگر نوبت جہاد (بمعنی قتال) تک پہنچ جائے تو اپنے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اسے جیتا جا سکے کیونکہ مقصد دنیا کو بدلنا ہے۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے اللہ نہیں چاہتا کہ کوئی کام بغیر سبب کے انجام پائے اور تمام عقلی تدابیر اختیار کیا جانا ضروری ہے خوب تیاری کریں چاہے اس میں وقت لگ جائے۔ اس وقت تک خود کو بچا کر رکھنا ہے کیونکہ مقصد جنگ جیتنا ہے اگر دشمن زیادہ ہی طاقتور ہو اور اس سے بھڑنا سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہ ہو تو پھر ایسا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اگر آپ کو دوست نہیں سمجھتا تو کھلا دشمن بھی نہ جانے' جو اسے واضح نقصان پہنچانے کے درپے ہے (آل عمران: 28) قرآن کا حکم ہے کہ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ طاقتور اور تیار بندھے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار رکھو۔ اب قرآن تو اس وقت کے مستعمل ذرائع ہی کا ذکر کر رہا ہے لیکن اس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ زمانے کے مطابق آلات حرب میں تناسب برقرار رکھنا اللہ کا حکم ہے مسلمان دنیا کی آبادی کا 20 فیصد ہیں لیکن دنیا کی پیداوار میں ہمارا حصہ 5 فیصد ہے۔ اگر ہم زیادہ پیچھے نہ بھی جانا چاہیں تو امہ کی ضرورت اس وقت ایک ایسا جہاد (Herculean Efforts) ہے جیسا جاپانیوں نے شہنشاہ میجی Meiji کے دور میں کیا تھا جب امریکی جنگ باز کمانڈر پیری دوگن بوٹس کے ساتھ زبردستی جاپانی بندرگاہ میں گھس آیا تھا۔ یہ بے عزتی جاپانیوں کی قومی غیرت وحمیت کے لئے ایک چیلنج بن گئی۔ جاپانی قوم اور اس کے لیڈروں نے ایک بے مثال اور تاریخی جہاد کیا بجائے خود کڑھنے اور دوسروں کو کوسنے کے اپنا مطمح نظر علم وآگاہی اور ٹیکنالوجی کو قرار دیا' اپنے نفوس کو بدل ڈالا۔ ان کا اس وقت قومی نعرہ تھا "We shall abandon the evil practices of the past" ترجمہ: ''ہم ماضی کی تمام فرسودہ اور غلط روایات کو توڑ ڈالیں گے۔ جاگیردارانہ سماج سے ہزاروں میل کا فاصلہ ایک نسل ہی نے طے کر ڈالا اور ماڈرن ٹیکنالوجیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھ دی۔ کہاں کی نذر پیری کے ہاتھوں بے عزتی اور کہاں چند دہائیوں کے جہاد (کوشش) کے بعد انہیں جاپانیوں نے ایک بڑی یورپین طاقت روس کو 1905ء میں شکست فاش دے ڈالی۔

"The fault dear brustus, is not in our stars but in ourselves that we are under" (Shakespear)

واقعی جہاد مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ کراچی' یکم جون 2003ء)

## دعائے مغفرت

☆ تنظیم اسلامی کراچی' شاہ فیصل کے امیر اعجاز لطیف صاحب کی والدہ صاحبہ جو لاہور میں مقیم اور عرصہ دراز سے علیل تھیں انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ تنظیم اسلامی لاہور چھاؤنی اُسرہ نشتر کالونی کے رفیق تنظیم حافظ اسد اللہ صاحب کے والد محترم جو کافی دنوں سے علیل تھے مورخہ 20 جولائی کی رات کو انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رفقاء وقارئین سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

# سیدؒ کا مرید شاہ

تحریر : سید قاسم محمود

اس تحریک کی طرف عوام کو متوجہ کرنے والا سب سے پہلا کارنامہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحیؒ کی سیّد احمد کے ہاتھ پر بیعت تھا۔ شاہ اسماعیل شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے۔ اُن کے والد شاہ عبدالغنی شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ شاہ اسماعیل کی سالِ پیدائش 1778ء ہے۔ اس طرح سے یہ اپنے مُرشد سیّد احمد سے بھی عمر میں سات' آٹھ برس بڑے ہیں۔ علم میں تو خیر اُن کا درجہ بہت بلند ہے۔

**جسمانی ورزشیں:**

شاہ اسماعیل کی سب سے بڑی خوبی یہ رہی ہے کہ انہوں نے اپنی آنے والی مجاہدانہ زندگی کے واسطے عالم شباب ہی میں تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ وہ علم اور بہادری میں ابتدا ہی سے یکتا تسلیم کئے جاتے تھے۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے: ''ہر تعریف اُس خدائے پاک کے لئے ہے جس نے بڑھاپے کے عالم میں بھی اسماعیل اور اسحاق عطا کئے۔''

شاہ صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے مختلف علوم میں مہارت حاصل کر لی تو ورزش اور جفاکشی کی طرف متوجہ ہوئے۔ پٹا اور گتکا (بنوٹ) کی مشق کے لئے مرزا رحمت اللہ بیگ کی شاگردی اختیار کی اور یہ وہی صاحب تھے جن کی شاگردی میں آنے کے لئے مغلیہ خاندان کے شہزادے منتیں مانا کرتے تھے۔ اسی طرح گھوڑ سواری آپ نے میاں رحیم بخش چابک سوار سے سیکھی۔ یہ اپنے دور کے مانے ہوئے چابک سوار تھے' جو اپنے شاگرد سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کے حلقے میں شامل ہو گئے اور اُن ہی کی جلو میں سرحد پار پہنچ کر جامِ شہادت نوش کیا۔ شاہ صاحب نے اپنے مکان کے قریب باقاعدہ اکھاڑہ قائم کیا اور دن رات لنگر لنگوٹ کس کر' کسرت کرنے میں مصروف رہے۔ دریائے جمنا میں پیراکی کا سلسلہ شروع کیا تو مہینوں یہ مشغلہ جاری رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کر چکے تھے۔ چنانچہ طلبہ کو ہدایت تھی کہ وہ کتابیں لے کر جمنا پر پہنچا کریں۔ شاگرد کتابیں لے کر جمنا کے کنارے پہنچ جاتے۔ استاد تیرتا ہوا آتا۔ سبق دیتا اور پھر پانی میں گم ہو جاتا۔ وہ سانس پر کنٹرول کی مشق کے لئے دہلی سے آگرے تک تیرتے ہوئے جاتے۔ یہ سلسلہ ختم ہوا تو تپتی زمین پر ننگے پاؤں چلنے کی مشق شروع کر دی۔ مئی اور جون کی جھلسا دینے والی دھوپ اور گرمی میں مسجد فتح پوری کے صحن میں ننگے پاؤں کئی کئی گھنٹے چلنے کی مشق کرتے۔ پھر نشانہ باندھنا اور بندوق چلانا شروع کی تو اس میں کمال حاصل کیا۔ خود ہی کہا کرتے تھے: ''ناممکن ہے کہ جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ بچ نکلے''۔ ایک مرتبہ کسی دوست نے کہا کہ اگر اُس کی موت ہی نہ آئی ہو تو آپ کیسے مار ڈالیں گے' تو بولے ''اگر اُس کی موت نہ آئی ہو گی تو میرے سامنے آئے گا ہی نہیں''۔

**علمی مرتبہ:**

شاہ صاحب کی علمی بصیرت کے مختلف واقعات مشہور ہیں۔ کونسا علمی حلقہ ایسا تھا یا ہے جو اُن کے علمی تبحر کا معترف نہ ہو۔ آپ کے وعظ میں عام باشندوں کے ساتھ خود اہلِ علم بہت بڑی تعداد میں شریک ہوتے۔ ''سوانح احمدی'' میں درج ہے کہ ایک مرتبہ ایک رکوع تلاوت کی۔ مولوی امام بخش صہبائی' مولانا عبداللہ خان اور مفتی صدرالدین آزردہ بھی اِس وعظ میں شریک تھے۔ اس رکوع کی تفسیر میں ایسے عجیب و غریب نکات بیان فرمائے کہ سب ششدر رہ گئے اور دوبارہ سننے کے متمنی ہوئے' لیکن جب دوسری دفعہ شاہ صاحب نے اسی رکوع کی تفسیر بیان کی تو اس میں کئی ایسے نکات بیان فرمائے گئے جو پہلے سے بھی زیادہ عجیب تھے۔

اسی طرح ایک دن کا واقعہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز کوئی فتویٰ تحریر کر رہے تھے' اسی دوران اٹھ کر کسی کام سے اندر جانے کی ضرورت پیش آ گئی اور یوں ہی فتویٰ لکھتے لکھتے چھوڑ کر اندر چلے گئے۔ اتنے میں شاہ اسماعیل وہاں پہنچے۔ انہوں نے فتوے پر نگاہ ڈالی اور اس کی بعض فروگزاشتوں کی اصلاح کر دی۔ شاہ صاحب جب باہر آئے تو انہوں نے فتوے میں اصلاح و ترمیم دیکھی۔ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا ''الحمدللہ ابھی ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔''

شاہ صاحب نے سیّد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے بہت پہلے رسوم اور بدعات کے خلاف جہاد شروع کر دیا تھا' اس لئے کہ اُس وقت مسلمانوں اور ہندوؤں کی زندگی میں توہم پرستی اتنی زیادہ گھر کر گئی تھی کہ اُس نے انسانی خود اعتمادی تک کو مجروح کر رکھا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنی پوری توجہ اُن بدعات اور جہالت پر مبنی رسوم کے خاتمے کے لئے جدوجہد پر مرکوز کئے رکھی۔ سیّد صاحب کے ساتھ جب تحریک میں شریک ہوئے تو اس کی بنیاد بھی انہی بدعات کے خاتمے پر رکھی۔ مدتوں اُن کے وعظ دہلی میں ایک متنازعہ مسئلہ بنے رہے۔ کچھ تھے جو اُن کے وعظوں میں جان چھڑکتے اور کچھ تھے جو شاہ صاحب کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ یہی زمانہ ہے جس میں آپ کی مولانا فضل الحق خیرآبادی سے ٹھن گئی۔

**مولانا فضل حق خیرآبادی کی مخالفت:**

اس پہلی تحریک کے اکثر قائدین فنِ خطابت کے میدان کے شہسوار تھے۔ سیّد احمد اور اسماعیل شہید دونوں کی خطابت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب کی خطابت کی دھاک اُن کے پہلے وعظ ہی نے بٹھا دی تھی۔ یہ جمعۃ الوداع کے موقع پر دہلی کی جامع مسجد میں کیا گیا تھا۔ پہلے ہی وعظ میں انہوں نے دہلی کے مسلمانوں کی طرزِ زندگی پر کھلم کھلا حملے کا اعلان کر دیا' اور قرآن کی یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ''تیرے رب کی قسم! وہ مومن کہلانے کے مستحق نہیں' جب تک آپ اپنے تمام تنازعات میں آپ کو ثالث نہ مان لیں' پھر آپ جو کچھ فیصلہ فرمائیں' اُس پر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں' اور پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔''

یہ اصول تھا جس پر شاہ صاحب نے اپنی جدوجہد کی بنیاد رکھی اور ''جو بھی فعل اور تعلیم شرعی نصوص سے ثابت نہیں ہوتی' وہ درست نہیں ہے'' کی بنیاد پر انہوں نے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کو پرکھا اور بتایا کہ وہ کس طرح غیر اسلامی طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بہرحال حسنِ خطابت سے ایک ایک دل کو جھنجھوڑا۔ اس میں شیفتگی اور وارفتگی کی آگ بھڑکا دی اور یہی وہ آگ تھی جو ان وارفتگان کو کشاں کشاں اُن کے وعظوں میں لے جاتی۔ اب دہلی کی زبان پر اُن کے جملوں کا رنگ چڑھنے لگا۔ اُن کے منہ میں شاہ اسماعیل کی زبان بولنے لگی۔ عوام کا ہجوم اُن کا شیدائی ہو گیا۔ لیکن وہ لوگ جن کی زندگیوں کا دارومدار اُن بدعات اور رسوم قبیحہ پر تھا' وہ اِن وعظوں کو کیسے گوارا کر سکتے تھے۔ ان کو اسماعیل کیسے پسند آ سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ عمائدین جو اپنی نام نہاد مقبولیت کے سہارے قرب سلطانی حاصل کرتے تھے' اسماعیل ان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگے۔ اسی فضا میں مولانا فضل حق خیرآبادی سے بھی اُن کی ٹھن گئی مولانا خیر بادی فلسفہ اور منطق کے ماہر تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جو ریزیڈنٹ مغل بادشاہ کے دربار میں مقرر تھا' اُس کے سررشتہ دار تھے۔ ریزیڈنٹ بجا طور پر

مولانا خیر آبادی کا بہت قائل تھا' کیونکہ علمیت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا اور خود بادشاہ آپ کو بہت عزیز رکھتا تھا' احترام کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مولانا اپنے فارغ وقت میں سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری رکھتے اور طلبہ کو منطق اور فلسفہ پڑھاتے تھے۔ لیکن اُن کی شاہ اسماعیل سے کیونکر ٹھن گئی اس قضیے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مولانا محمد میاں دہلوی اپنی تحقیقی تصنیف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' میں لکھتے ہیں:

''بدقسمتی سے اس جماعت نے' جس کے ذاتی مفادات اور لوٹ کھسوٹ پر شاہ اسماعیل کے وعظوں اور تقریروں کا تباہ کن اثر پڑا' مولانا فضل حق خیر آبادی کا سہارا ڈھونڈا اور ان کو اپنا امام بنالیا۔ مولانا فضل حق صاحب نے خود پسند اور بدخود غلط مولویوں کی طرح اوّل تو طلبہ کو لکھا پڑھا کر مولانا اسماعیل کے درس میں بھیجنا شروع کر دیا۔ مگر جب اُس کا اثر الٹا پڑا اور طلبہ جو خود بھی سخن فہمی کا سلیقہ رکھتے تھے' مولانا فضل حق سے جدا ہو کر شاہ اسماعیل کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہونے لگے تو مولانا نے خود شاہ اسماعیل کے وعظ' اُن کے عقائد اور ان کی تحریروں پر حملے شروع کر دیئے اور وہ مسائل جن کا تذکرہ بھی عوام میں شرعاً جائز نہیں' مولانا فضل حق کی منطقی موشگافیوں سے عام مسلمانوں کے جنگ و جدل کا موضوع بن گئے۔ مولانا فضل حق کے ان عام حملوں اور نکتہ چینیوں سے بھی شاہ اسماعیل کی مقبولیت کے سیلاب کے آگے بند نہ باندھا جاسکا اور وہ نکتہ چینی کے خس و خاشاک کو بہاتا ہوا برابر آگے بڑھتا رہا۔ اس پر باشندگانِ دہلی کے پندرہ سو دستخطوں سے ایک محضر نامہ مرتب کیا گیا۔ اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقرر کردہ ریزیڈنٹ کی بارگاہ میں بھیجا گیا۔ اس محضر نامے میں کہا گیا تھا کہ شاہ اسماعیل کے وعظ اور خطبے ''نقصِ امن'' کا باعث بن سکتے ہیں اور مسلمانوں کے ایک کثیر حلقے کی دل آزاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ امنِ عامہ کے نام پر زبان بندی کے احکام جاری ہو گئے اور وعظ و نصیحت پر پابندی لگادی گئی۔ لیکن اس پابندی نے دہلی میں ہیجان بپا کر دیا اور لوگوں میں غم و غصہ پھیلنے لگا۔ چنانچہ خود شاہ صاحب نے ریزیڈنٹ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس پابندی کے خلاف احتجاج کیا گیا اور اس میں بتایا گیا کہ کس طرح وعظ سے نہیں بلکہ وعظ پر اس طرح کی پابندی سے نقصِ امن کا اندیشہ پیدا ہوسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مراسلے میں شاہ صاحب نے اس پابندی کے خلاف کئی وجوہ قلم بند کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریزیڈنٹ نے پابندی کے احکام واپس لے لئے' لیکن پابندی کی منسوخی کے احکام سررشتہ دار مولانا فضل حق خیر آبادی نے دبا لئے۔ جب شاہ صاحب کو اپنے مراسلے کا کوئی جواب موصول نہ ہوا' تو وہ خود ریزیڈنٹ سے ملے اور گفتگو کی۔ ریزیڈنٹ کو جب معلوم ہوا کہ پابندی کی منسوخی کے احکام دبا لئے گئے ہیں اور سررشتہ دار نے اُن تک پہنچائے ہی نہیں تو سررشتہ دار کو تین ماہ کے لئے معطل کر دیا گیا۔ بالآخر چالیس روز کی پابندی کے بعد وعظوں کا سلسلہ پھر شروع ہوا''۔

<u>عوامی مقامات پر وعظ:</u>

شاہ اسماعیل نے اپنے وعظ محض محراب و منبر ہی تک محدود نہ رکھے بلکہ گلی کوچوں' میلوں ٹھیلوں اور بازاروں میں پہنچ جاتے' وہاں لوگوں کو پند و نصیحت کرتے۔ جامع مسجد کی سیڑھیاں جہاں روزانہ بازار لگتا تھا' وہاں اچھا خاصا ہجوم تھا۔ یہ سیڑھیاں تو مرکزی دارالارشاد کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں' اسی دارالارشاد کا ایک واقعہ ہے کہ شاہ اسماعیل انہی سیڑھیوں پر کھڑے وعظ کر رہے تھے کہ ایک ہیجڑے کا اُدھر سے گزر ہوا۔ وہ وعظ سننے کے لئے رک گیا۔ اُس کے ہاتھوں پر مہندی لگی تھی۔ بانہوں میں چوڑیاں' پاؤں میں جھانجن اور سرخ جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے جب اُسے دیکھا تو اسے خطاب کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ اس ہیجڑے کا یہ عالم ہوا کہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے چوڑیاں توڑ ڈالیں' زیور اتار پھینکے اور ہاتھوں سے مہندی کی لالی مٹانے کے لئے اس زور سے سیڑھیوں پر ہاتھ رگڑے کہ ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ جب وعظ ختم ہوا تو توبہ کی اور شاہ اسماعیل کے حلقے میں شامل ہو گیا۔ یہی ہیجڑا جہاد میں شاہ شہید کے ہمراہ گیا اور شہید ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مدرسۂ رحیمیہ کے دروازے پر آپ کھڑے تھے کہ سامنے سے چند ہوش رُبا مہ وشیں کھلے منہ' بناؤ سنگھار کئے' بہلیوں میں بیٹھی گزریں۔ معلوم ہوا کہ یہ مسلمان کسبیاں ہیں جو کسی رنڈی کے ہاں کسی رقص کی تقریب میں جا رہی ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے کہا کہ جب یہ مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں۔ کیا خدا ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے ان کو نصیحت نہ کی؟ اس واسطے اب تو میں اُن کے مکان پر جا کر نصیحت کروں گا۔ دوستوں نے منع کیا کہ یہ وضع داری کے خلاف ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے رات کو فقیرانہ لباس پہنا اور چل پڑے۔ دروازے پر پہنچ کر آواز دی ''او اللہ والیو! او اللہ والیو! خادمہ دوڑی ہوئی آئی' تم کون ہو؟ فرمایا' فقیر ہے' صدا سنائے گا اور تماشا دکھائے گا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ آپ نے مالکہ کو دریافت کیا کہ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ بالا خانے پر مہمانوں کے ساتھ جشنِ نو روز منا رہی ہے۔ آپ وہیں تشریف لے گئے۔ اگرچہ لباس فقیرانہ تھا لیکن دلی کا کون سا فرد تھا جو شاہ اسماعیل کو نہ پہچانتا ہو؟ جب رنڈیوں نے شاہ صاحب کو اپنے ہاں دیکھا تو ششدر رہ گئیں۔ اُن کو مسند پیش کی اور آپ زمین پر بیٹھ گئیں۔ شاہ صاحب نے اُن کو نصیحت کی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے توبہ کر لی۔

<u>مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے:</u>

تحریک کی کامیابی کے لئے مبلغ ہونا اور اپنے مسلک کے لئے جنون کی حد تک لگن کا اظہار بنیادی شرطیں ہیں۔ ان پر سیّد احمد جیسا پیر اور شاہ اسماعیل جیسا مُرید دونوں ہی پورے اترتے ہیں۔ لیکن جو سعادت اس مُرید کو حاصل ہوئی' وہ بہت کم مُریدوں کو حاصل ہوئی ہے۔ بعض دفعہ تو خود مرشد اس مُرید کی شہرت کے غبار میں گم ہو جاتا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنے ''تذکرہ'' میں جس شیفتگی اور وارفتگی کے عالم میں شاہ صاحب کا ذکر کیا ہے' اُس کی ایک جھلک دیدنی ہے:

''تجدید و تدوین' دعوت و اصلاح امت کے جو بھید کہ پرانی دہلی کے کھنڈروں اور فیروز شاہ کے کوٹلے کے حجروں میں دفن کر دیئے گئے تھے' اب اِس سلطانِ وقت و سکندرِ عزم کی بدولت شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی' وہ اب سرِ بازار کی جا رہی اور ہو رہی تھی۔ اور خونِ شہادت کے چھینٹے حرف و حکایت کو نقوشِ دیوار بنا کر صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے:

آخر کو لائیں گے کوئی آفت' فغاں سے ہم
حُجت تمام کرتے ہیں' آج آسماں سے ہم

کیا اس وقت ہندوستان علم و فضل سے خالی ہو گیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم ہو گئے تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے! خود اس خاندانِ عالی میں کیسے کیسے اکابر و اساتذۂ علم و عمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے درس و تدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر اُن کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کر رہا ہوں۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا' اُس کے لئے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب اور اور کاموں میں رہ گئے یا حُجروں کا کام یا مدرسوں کا' لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لئے تھا اور ایک ہی پر چُست آیا۔

(جاری ہے)

# رأس الحکمۃ مخافۃ اللّٰہ

# (دانائی کی چوٹی اللہ کا خوف ہے)

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ کا خوف اعلیٰ درجہ کی دانائی ہے۔ یہ فرمانِ رسول ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق، قادرو قدیر اور ہر شے کا مالک ہے۔ تمام اختیارات اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ اُس نے انسان کو مخلوقات میں اشرف مقام سے نوازا۔ مگر بمصداق ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے'' انسان کو ذمہ دار اور مسئول ٹھہرایا ہے۔ اس کو نیکی اور برائی سے واقف کر دیا گیا اور بتا دیا کہ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ یہاں انسانوں کو اچھے یا برے اعمال کرنے کی آزادی ہے مگر اس جہان کے بعد ایک اور جہاں بھی ہوگا۔ جہاں ان کیے گئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا وہ جہاں دارالجزاء ہے۔

انسان مر کے مٹی نہیں ہو جاتا بلکہ انسان کی موت اُس کی برزخی زندگی کا آغاز کرتی ہے اور برزخی زندگی کے خاتمے کے ساتھ آخرت کی ابدی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ حیاتِ دنیوی کے بعد کی یہ دونوں زندگیاں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ انسان اپنی کمزوری کی بنا پر موت کے بعد کی زندگی سے غافل رہتا ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو اس حیات موجود میں خوشحال، مسرفہ الحال اور نعمتوں سے مالا مال ہیں آزاد و بے لگام انداز اختیار کرتے ہیں حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان اس دنیا میں ہر لحظہ امتحان میں ہے۔ ﴿لیبلوکم ایکم احسن عملاً﴾ (سورۃ الملک: ۲) ''تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے یعنی اپنے مالک کی رضا ہر دم پیش نظر رہنی چاہئے۔ کوئی عمل ایسا نہ کرنا چاہئے جو عاقبت میں سزا اور عذاب کا سبب بن جائے۔ قرآن و حدیث میں اسی رویے کو تقویٰ کہا گیا ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ پرہیزگاری کیا جاتا ہے۔ پرہیزی انداز یہ ہے کہ ہر وقت خدا کا خوف پیش نظر رہے، اگر کوئی شخص روزِ محشر کے منظر کو ذہن میں متحضر رکھے کہ اُس روز اسے اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کی خدا کے حضور کھڑے ہو کر جواب دہی کرنا ہے تو وہ کبھی درپردہ یا چھپ کر بھی گناہ کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ اسے اُس رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونا ہے جو ہر جگہ حاضر ہے ہمہ وقت دیکھ رہا ہے اور ہر بات سن رہا ہے۔ اس احساس کا نام خوف خدا ہے۔ جس کو یہ احساس مل گیا یوں سمجھئے کہ اُس نے دانائی کا خزانہ پالیا۔

ایک شخص کو گناہ اور جرم کے ارتکاب کا موقع میسر آتا ہے یا وہ کسی بُرے موقع کی تلاش میں ہوتا ہے مگر قانون کی گرفت یا ماحول اور معاشرے کی لعن طعن سے ڈر کے وہ اس فعل بد سے باز رہتا ہے تو یہ بات بالکل اور ہے اسی طرح ایک شخص کوئی نیک کام کرتا ہے مگر اُس کے پیش نظر دنیا کا مفاد ہوتا ہے اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی تو ایسا نیک کام بھی چنداں مفید نہیں کیونکہ اصل مقصود تو امتحان میں کامیابی ہوتی ہے اور وہ بجز خوف خدا کے میسر نہیں آسکتی۔

آخرت کا منظر بڑا خوفناک ہوگا۔ سب لوگوں کو اللہ کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ کوئی کسی کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔ صرف انسان کے وہ اعمال جو اُس نے حسنِ نیت یعنی خلوص اور خوف خدا کے جذبے سے کئے ہوں گے وہی کام آئیں گے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور دوست احباب بھی کچھ نہیں کر سکیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿یوم یفر المرء من اخیہ o وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ o﴾ (سورہ عبس: 34 تا 36) ''اس دن بھائی اپنے بھائی سے دُور بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔''

ہاں عقیدتاً یہ ضرور ہے کہ کسی بدترین انسان کے بارے میں بھی نام لے کر یہ کہنا کہ اُس کی بخشش نہیں ہوگی درست نہیں کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت میں محدودیت لازم آتی ہے جو صحیح نہیں اُس کی شان تو یہ ہے کہ ﴿فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء﴾ (البقرہ: 284) ''پس وہ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔ البتہ یہ بات انتہائی مستحکم ہے کہ اللہ کسی بندے پر زیادتی نہیں کرے گا یعنی اپنا غیر محدود اختیار استعمال کرتے ہوئے کسی نیکوکار کو عذاب میں گرفتار نہیں کرے گا کیونکہ اس کا اپنا اعلان ہے کہ بندوں کو سزا اُن کے کرتوتوں کی ہی ملے گی۔ ﴿ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید o﴾ (آل عمران: 182، الانفال: 51) یہ (سزا) ہے بدلہ اُس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ بندوں پر ظلم ہرگز نہیں کرتا۔ ہاں قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مائل بہ کرم ہے اور اس کے لئے گناہ گاروں کو اُن کے گناہوں کی سزا دینا ضروری نہیں بلکہ رحم و کرم کا معاملہ فرماتے ہوئے وہ بہت سوں کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ اُس کا فرمان ہے ﴿قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ط ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم﴾ (الزمر: 53) ''اے پیغمبر میرے ان بندوں کو کہہ دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا ﴿عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء﴾ (الاعراف: 156) ''میں اپنا عذاب جس پر چاہوں ڈالتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کے مائل بہ کرم ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ نیکوکاروں کو تو وہ ضرور اجر دے گا اُس کا فرمان ہے: ﴿انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی﴾ (آل عمران 195) ''میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورت''۔ البتہ گناہگاروں کو بخش دے گا۔ جیسا کہ احادیث نبویؐ سے ثابت ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے گناہ بہت ہوں گے مگر ان کے کسی ایک عمل کی قبولیت اُن کی بخشش یعنی دوزخ کے عذاب سے رہائی کا باعث بن جائے گی۔

خدا کے خوف کا جذبہ بڑا نتیجہ خیز ہے قرآن مجید میں ہے: ﴿واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ o فان الجنۃ ھی الماویٰ o﴾ (النازعات:

## امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ حلقہ پنجاب شمالی کا شیڈول

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ 8 اگست بروز جمعہ | خطاب جمعہ | مسجد الہدیٰ راولپنڈی کینٹ |
| 2۔ 9 اگست بروز ہفتہ (شام) | اختتامی خطاب | چالیس روزہ تفہیم دین پروگرام مرکز فیض آباد |
| 3۔ 10 اگست بروز اتوار (شام) | اختتامی خطاب | مرکز گجر خان |

4۔ 10 اگست صبح کے اوقات میں بالترتیب رفقاء راولپنڈی اسلام آباد اور گجر خان سے ملاقاتیں۔

41'40) ''اور جس شخص کو اپنے پروردگار کے سامنے (اعمال کی جوابدہی کے لئے) کھڑا ہونے کا ڈر ہو اور (اس ڈر کی وجہ سے) وہ اپنے نفس کو حرص و ہوا سے روکتا ہو تو ایسے شخص کا ٹھکانہ تو جنت ہو گا۔ حقیقی خوفِ خدا ہوتا ہی وہ ہے جو انسان کو برائی سے باز رکھے اور نیکی پر آمادہ کرے۔ رات کے پچھلے حصے کی تنہائی میں اپنے پروردگار کے سامنے نماز میں کھڑے ہونے' اپنے گناہوں کو یاد کر کے بخشش کی استدعا کرنا اور خوفِ خدا سے آنسو بہانا' اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر (یعنی ایک قطرہ ہی) ہوں پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتشِ دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔ (بحوالہ معارف الحدیث) اسی طرح حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اُس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (رواہ البزار)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی خوف رکھنے والا کبھی معصیت کی جراءت نہیں کرے گا حتی الوسع گناہوں سے بچے گا۔ تو گناہوں سے بچنا خود نیکوکاری ہے۔ مگر اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ ہزار بچنے کی کوشش کرے مگر اس سے خطا' نسیان' غلطی اور گناہ تو سرزد ہو ہی جاتا ہے۔ ایسے میں اس گناہ اور کوتاہی پر نادم ہونا اور پھر آئندہ کے لئے محتاط ہونے کا عہد کرنا اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا وہ انداز ہے جو رب العالمین کو بہت پسند ہے۔

الترغیب والترہیب امام یافعیؒ متوفی 768ھ کی تالیف ہے۔ اُس میں ایک عجیب واقعہ نقل ہوا ہے کہ ایک نوجوان کے کپڑوں سے ہر وقت خوشبو آتی تھی۔ کسی خیر خواہ نے اُس کو کہا کہ تم کیوں اتنی زیادہ خوشبو استعمال کرتے ہو اور فضول خرچی کا ارتکاب کرتے ہو کہ ہر وقت تمہارا لباس خوشبو میں بسا ہوا ہوتا ہے۔ اُس لڑکے نے کہا میں نے نہ کبھی خوشبو خریدی ہے اور نہ لگائی ہے بلکہ یہ ایک راز ہے جو میں کسی کو نہیں بتاتا۔ جب پوچھنے والے نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو لڑکے نے کہا کہ ایک دن میں اپنے والد صاحب کے پاس دکان میں بیٹھا تھا ایک بڑھیا آئی اور اس نے کچھ سامان خریدا اور پھر میرے والد سے کہنے لگی کہ اس نوجوان کو میرے ساتھ بھیجو تاکہ میں اسے رقم ادا کروں۔ میرے والد نے مجھے اس کے ساتھ بھیج دیا وہ جس مکان میں داخل ہوئی' وہ بڑا عالیشان تھا۔ میں آگے بڑھا تو ایک نہایت خوبصورت دوشیزہ قیمتی لباس میں پوری رعنائی کے ساتھ بیٹھی تھی اس نے مجھے دعوتِ گناہ دی مگر میں نے انکار کیا۔ اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھ پر خوفِ خدا غالب تھا اور میں گناہ سے بچنا چاہتا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی میں نے اُسے کہا کہ مجھے رفع حاجت کے لئے جانے دے۔ اس نے لونڈی کے ساتھ مجھے اجازت دی۔ میں بیت الخلا میں گیا اور غلاظت اپنے کپڑوں اور جسم پر لگا کر واپس آ گیا۔ جب اُس دوشیزہ کے سامنے آیا تو اس نے اپنی لونڈی کو کہا اس گندے کو باہر نکالو۔ چنانچہ میں وہاں سے واپس ہوا ایک درہم میرے پاس تھا اس کا میں نے صابن خریدا۔ کپڑے دھوئے اور بہتے پانی میں نہایا۔ رات کو خواب میں مجھے ایک فرشتہ دکھائی دیا جس نے مجھے جنت کی بشارت دی اور کہا کہ تم نے گناہ سے بچنے کے لئے جو تدبیر اختیار کی ہے اُس کے بدلے میں تجھے یہ خوشبو دی جا رہی ہے۔ ❁

## بقیہ: چشم کشا

لوگ اکھٹے ہو جائیں' امریکا کو دھمکی دیں کہ اگر تم نے عراق پر حملہ کیا تو ہم اپنے کسی سمندر سے تمہارا کوئی بحری جہاز' اپنی ہواؤں سے تمہارا کوئی مسافر بردار جہاز اور اپنی کسی سڑک سے تمہاری کوئی گاڑی نہیں گزرنے دیں گے تو دنیا دو دن میں آپ لوگوں کے قدموں میں گر جائے گی۔

''آپ دنیا کو تیل کی فراہمی بند کر دیں تو تمام بڑی طاقتوں کو دن میں تارے نظر آ جائیں لیکن افسوس! آپ لوگوں کا یہ المیہ ہے کہ امریکا افغانستان پر حملہ کرے' تو اس کے جنگی طیارے بائیس مسلمان ریاستوں کی فضائی حدود سے گزر کر کابل تک پہنچتے ہیں' اسے دفاعی مدد ملتی ہے تو تیرہ اسلامی ممالک سے ملتی ہے۔ وہ عراق پر حملہ کرتا ہے تو اس کے طیارے پورے عالم اسلام کے اوپر سے گزر کر آتے ہیں' امریکا کو زمینی ٹھکانے مہیا کرتے ہیں تو عرب مہیا کرتے ہیں۔''

میرے مہمان رکے' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور تھکی ہوئی آواز میں بولے: ''مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ نفاق ہے' اگر جمع ہو جائیں تو چیونٹیاں ہاتھی کو پچھاڑ دیتی ہیں لیکن الگ الگ ہو جائیں تو ہاتھی بھی گیدڑوں سے مار کھا جاتے ہیں۔''

میرے یہ دوست چلے گئے تو میں دیر تک خلیل جبران کے اس فقرے پر غور کرتا رہا۔ میں کبھی لاجواب نہیں ہوا لیکن اس شخص کے سامنے' جس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟'' (بشکریہ اردو ڈائجسٹ' دسمبر ۲۰۰۲ء)

## بقیہ: سیرت و اخلاق

1۔ حکمت: حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت یا قوتِ عقلی
2۔ شجاعت: قوتِ غضب کو اعتدال میں رکھنے کی قوت
3۔ عفت: ناجائز خواہشوں سے نفس کو روکنے اور قناعت پر مجبور کرنے کی قوت
4۔ عدالت: کام کو اندازے کے مطابق پس و پیش کرنے کے بغیر اور کمی بیشی کے بغیر انجام دینے کی قوت

ان قوتوں کے عدل میں رہنے سے اخلاقِ حسنہ اور کمی یا زیادتی سے اخلاقِ سیئہ پیدا ہوتے ہیں۔

1۔ حکمت کے معتدل رہنے سے
حسن تدبیر اور صحیح رائے پیدا ہوتی ہے۔
قوتِ عقلی یا حکمت کے کم ہونے سے
ناتجربہ کاری' بے شعوری اور احمق پن پیدا ہوتا ہے۔
اس قوت کے زیادہ ہونے سے
مکر و فریب' خبثِ باطن اور حسد پیدا ہوتا ہے۔

2۔ شجاعت یا قوتِ غضبی کے معتدل رہنے سے
دلیری' کسرِ نفسی' حلم' وقار اور غضب میں کمی ہوتی ہے۔ اس کی زیادتی سے (کبر' شیخی' عجب اور غصہ پیدا ہوتا ہے) (کمی سے: خواری' ذلت' خوف اور پست حوصلگی)

3۔ عفت کے اعتدال میں رہنے سے
سخاوت' حیا' صبر' قناعت' پرہیزگاری اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے اس کی کمی و بیشی سے' حرص' بے حیائی' اسراف' بے حرمتی' خوشامد اور فحاشی پیدا ہو گی۔

لہٰذا جس طرح حسن اخلاق کے کردار کو جلا بخشتی ہے' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سبب ہوتی ہے اور دنیا کو رہنے کی جگہ بناتی ہے اور اس کے برخلاف بداخلاقی انسانیت کے لئے مہلک ہے۔ کردار کو مسخ کرتی ہے اور روحانی امراض کا سرچشمہ ہے۔

**اللھم ھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لا حسنھا الا انت' واصرف عنی سیئاتھا لا یصرف عنی سیئھا الا انت**

**(مسلم باب الدعا فی الصلوۃ)**


**ہرمجدون (Armageddon)**
**شائع ہو گئی ہے**
جس میں پہلی عالمی جنگ سے لے کر ظہورِ مہدی تک کے خونچکاں معرکوں اور تیسری عالمی جنگ کے بارے میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں
صفحات: 112 قیمت: 60 روپے
ملنے کا پتہ: صفحہ پبلشرز' ایبٹ روڈ' لاہور
قرآن اکیڈمی' 36۔کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

# رول ماڈل

تحریر : طیبہ ضیاء

گیارہ ستمبر کے بعد سے امریکی مسلمان دین کی بقا کی خاطر مختلف رفاہی اور رضا کارانہ خدمات میں مصروف ہیں اور عموماً یہی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا کوئی نہ کوئی اچھا فعل امریکی عوام پر مثبت تاثر پیدا کر سکے تاکہ اس وہمی قوم کو باور کرایا جا سکے کہ اسلام دہشت گرد نہیں بلکہ محبت و امن کا پیغام ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل اوہائیو کے ایک چرچ میں عیسائی اور مسلم کمیونٹی نے مل کر ایک اسلامی کلچرل پروگرام کا اہتمام کیا۔

پاکستان، ایران، عراق، لیبیا، کشمیر اور انڈیا کے اس ثقافتی پروگرام میں امریکی کمیونٹی نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا، ہاتھوں میں مہندی لگوائی اور حجاب، نماز، روزہ اور دیگر ارکان اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اٹلی کے سٹال پر قلوپطرہ کا مجسمہ بڑا پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے نیچے کندہ تھا: جولیس سیزر اور قلوپطرہ ایک لازوال داستان عشق۔ اس داستان عشق پر باتیں ہو رہی تھیں کہ لبنان کے سٹال سے اذان نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اس مقدس گونج سے میری سوچ کا دھارا جولیس سیزر سے مسلم ہیروز کی جانب مڑ گیا۔

عبدالرحمان بن عوفؓ سے انصار دینی بھائی سعد بن ربیعؓ نے کہا کہ میں مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں جو باغ آپ کہیں آپ کے نام ہبہ کر دیتا ہوں، عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا کہ اللہ آپ کے مال میں خیر و برکت دے، میں اپنا رزق محنت مزدوری سے کمانا چاہتا ہوں۔ عبدالرحمان بن عوفؓ کے لئے نبی پاک ﷺ نے ان کے رزق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی یہاں تک کہ آپؓ تمام صحابہ سے زیادہ مالدار اور صاحب ثروت ہو گئے مگر عاجزی اور راہ خدا میں خرچ کرنے کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ کے سات سو اونٹوں پر مشتمل تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا سب اونٹنیاں ساز و سامان سے لدی ہوئی تھیں، جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو زمین تھرتھرانے لگی، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یہ تھرتھراہٹ کیسی ہے۔ آپ کو جب معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئیں اور دعا دی کہ اے اللہ! عبدالرحمان بن عوفؓ کو تو نے جس طرح دنیا میں نوازا ہے اس سے بھی زیادہ آخرت میں اجر عطا کرنا۔ عبدالرحمان بن عوفؓ کو جب اس دعا کی بابت معلوم ہوا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اظہار تشکر میں سات سو اونٹنیوں پر مشتمل اپنا تجارتی قافلہ اللہ کی راہ میں پیش کر دیا۔ یہ اسلام کے وہ ہیروز تھے جو نہ صرف محنت مزدوری سے رزقِ حلال کماتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی نوازتے تھے جبکہ جولیس سیزر، مسولینی، ہٹلر، نپولین، جوزف سٹالن جیسے مغربی ہیروز یا شخصیات کا دوسرا نام اقتدار کی ہوس، لوٹ مار، قتل و غارت اور جبر و ستم و آمریت تھا مگر ان کی لائف ہسٹری کا مطالعہ اور حوالہ آج مسلمانوں میں جدید علوم یا ماڈرن ازم تصور کیا جاتا ہے جبکہ نبی ﷺ کے جانثاروں کا تذکرہ دقیانوسی اور مولوی ازم کہلاتا ہے۔ اعتدال اور صحیح علم و بصیرت کی دراصل یہاں ضرورت ہے کہ جب بات جولیس سیزر کی آمریت اور ظلم و ستم کی ہو، وہاں عبدالرحمان بن عوفؓ کے جذبہ ایثار کو بھی مدمقابل لایا جائے۔ ہٹلر و مسولینی کی سفاکی اور خلفاء راشدین کے عدل و انصاف کا موازنہ کیا جائے۔ افلاطون و ارسطو کی فلاسفی اور نبی پاک ﷺ اور آپؐ کے جانشینوں کے علم و بصیرت کے تضاد کو سامنے رکھا جائے تاکہ نئی نسل کو اپنے ہیروز پر فخر ہو کہ رول ماڈل کسی دینی جماعت کے لیڈر یا رکن نہیں بلکہ یہی ہیروز ہیں جن کی قربانیوں کا ایک ایک حرف آج بھی لہو کی بوندوں سے ٹپکتا ہے۔ ان مغربی مہذب اقوام و لیڈران کا اصل چہرہ نہ صرف تاریخی اوراق میں بلکہ آج بھی گیارہ ستمبر کے خونی آئینہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ نیویارک ٹائمز میں Eric Lichtblua کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد سینکڑوں مسلمانوں کو غیر قانونی ہونے کے الزام میں جیلوں میں پھینکا گیا۔ ان پر بلا جواز جسمانی و ذہنی تشدد روا رکھا گیا۔ انہیں دہشت گردوں کے کھاتے میں ملوث کرنے کے لئے انہیں جبراً جھوٹے بیانات دینے پر مجبور کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ ان کے پاؤں اور ہاتھوں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ ہفتہ میں ایک بار کسی سے بات کی اجازت ہوتی وگرنہ اہل خانہ تک کو ان کے بارے میں لاپتہ رکھا گیا۔ مزید برآں جسٹس ڈیپارٹمنٹ کو اپنے اس نامناسب رویہ پر کسی قسم کی کوئی شرمندگی نہیں، ان کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کی تحقیق و تفتیش میں وہ آزاد ہیں اور کسی کے جواب دہ نہیں۔ ایف بی آئی نے بلا تحقیق قریباً ۷۶۲ افراد کو ایک طویل تشدد کے بعد جلاوطن کر دیا۔ کہاں تک سنو گے، کہاں تک سناؤں! پالتو جانوروں کی گود میں اٹھائے پھرنے والی قوم سے ہمیں کوئی گلہ نہیں۔ شکوہ آج کی مشہور شخصیت و ہیرو صدر بش سے بھی کیا کرنا، کسک تو یہ ہے کہ کیا ہماری نئی نسل کا مطالعہ بھی مغربی شخصیات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دین بیزاری ایک الگ روگ بن چکا ہے۔ وطن عزیز میں ''بل'' کا لفظ سنتے ہی انسان کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے ہیں۔ بل چاہے بجلی کا ہو، پانی، فون یا درزی کا رزق حلال کمانے والے انسان کی جان پر بن آتی ہے اور ساتھ لفظ ''شریعت'' لگ جائے تو نام نہاد مسلمان جیتے جی مر جاتا ہے۔ آج کل ہماری قوم اور میڈیا پر سارس سے زیادہ شریعت بل کی ہیبت سوار ہے۔ غریب مسلمان بھی کہاں جائیں الا ماشاء اللہ مذہبی حضرات نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ ڈالا ہے۔ مسلم ممالک میں عورت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس کی بنیاد پر مغربی پروپیگنڈا سانس لیتا ہے۔ دیسی میڈیا بھی شریعت بل کو ایک ''بھوت'' بنا کر پیش کر رہا ہے جبکہ شریعت بل جبراً نہیں بلکہ عوام کے ووٹ سے پاس ہوا ہے لہٰذا اسے صرف مثبت انداز میں لینا چاہئے بلکہ اصل اسلام کو عملی طور پر دنیا میں مثال بنا کر پیش کرنے میں منتخب ارکان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ نام نہاد تہذیب یافتہ و تعلیم یافتہ طبقہ کی مولوی پر تنقید بجا سہی مگر اس طبقہ نے مولوی کو حقارت، جہالت و افلاس کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔ اپنے ہی دین کو کارنر کر دیا۔ دین کو دنیا سے الگ کر دیا۔ نکمی و معذور اولاد کے لئے دینی مدرسے اور ذہین بچوں کے لئے مغربی درسگاہیں منتخب کی گئیں۔ ایک کو کان سے پکڑ کر صرف قرآن حفظ کرنے پر لگا دیا جبکہ دوسرا بچہ شیکسپیئر کا رٹا لگا رہا ہے۔ امریکہ میں مقیم مسلمان نئی نسل کا شعور بیدار ہو چکا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ عملی اسلام کو متعارف کرایا جائے نہ کہ الا ماشاء اللہ مسلمان بھی یہود و ہنود و نصاریٰ کی عینک پہننا شروع کر دیں۔ آج مغرب کے زیر عتاب مسلمانوں کو درپیش مسائل، سوالات اور طنزیہ نگاہوں کا جواب مغربی تاریخ دانوں یا ہیروز میں نہیں بلکہ امت مسلمہ کی اپنی تاریخ اور رول ماڈل میں پنہاں ہے۔ جب جولیس سیزر اور قلوپطرہ کی داستان عشق کو جاننا ماڈرن ازم کہلائے اسلام کے جیالوں، خدمت گزاروں اور جاں نثاروں کی قربانیوں اور ایثار و محبت کی باتیں کرنا، لکھنا انتہا پسندی کہلانے لگے تو سمجھ لو کہ امت مسلمہ کا زوال قریب ہے!

(بشکریہ نوائے وقت)

## دعائے مغفرت

تنظیم اسلامی سندھ زیریں کے دیرینہ رفیق شریف احمد خان صاحب جو عرصہ دراز سے علیل تھے انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

# اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟

خلیل جبران کی زندگی میں اس کے کسی دانشور دوست نے اس کے بارے میں لکھا:

''جبران کبھی لاجواب نہیں ہوا کیونکہ قدرت نے اسے لاجواب ہونے کے لئے نہیں' لاجواب کرنے کے لئے پیدا کیا ہے''۔

یہ فقرہ جب لبنان کے اس باکمال دانشور تک پہنچا تو اس نے تاسف سے ہاتھ ملے اور بوجھل آواز میں کہا:

''میرے دوست نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے' میں واقعی زندگی میں کبھی لاجواب نہیں ہوا تھا لیکن جب ایک شخص نے مجھ سے پوچھا' تم کون ہو؟' تو میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا''

میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو گویا دل پر نقش ہوگیا۔ میں دیر تک سوچتا رہا۔ واقعی اس دنیا کی چھ ارب آبادی سے صرف چند ہی لوگ ہوں گے' جن کے پاس اس مشکل سوال کا جواب ہوگا۔ گزشتہ روز یہ سوال ایک بار پھر میرے ضمیر پر خراش ڈال کر گزر گیا۔ اور اس بار اسے میرے سامنے ایک غیر مسلم صحافی نے اٹھایا۔ یہ صاحب جاپان کے ایک نشریاتی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا دفتر تھائی لینڈ میں ہے جہاں سے وہ جنوبی ایشیا کے ممالک کی خبریں جمع کرتے اور نشر کرتے ہیں۔ چند روز سے پاکستان میں ہیں۔ گزشتہ روز میرے پاس تشریف لائے۔ ان سے گفتگو شروع ہوئی' تو انہوں نے مجھ سے پوچھا ''آپ کے خیال میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟''

میں نے اس سوال کے جواب میں پورے عالم اسلام کی معیشت ان کے سامنے رکھ دی۔ اسلامی دنیا کی غربت' جہالت' بیماری اور آمریت کا رونا رویا۔ جب میں بول بول کر تھک گیا تو انہوں نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی سے اٹھائی اور پوری سنجیدگی سے بولے ''میں جب لندن میں پڑھتا تھا تو میں نے مسلم دنیا کے دفاعی نظام پر مقالہ لکھا تھا' اس مقالے کے لئے مجھے ٹھیک ٹھاک تحقیق کرنا پڑی۔ اس کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہیں۔''

آپ دنیا کی آبادی دیکھیں' اس وقت دنیا کے اڑتالیس آزاد مسلم ممالک اور دیگر ممالک میں ایک ارب چالیس کروڑ اکتیس لاکھ اکیاون ہزار مسلمان آباد ہیں۔ یہ عیسائیت کے پیروکاروں کے بعد دنیا کی دوسری بڑی اکثریت ہے۔ مسلم ممالک میں شرح پیدائش 3 فی صد ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے' لہٰذا مسلم آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اب آپ رقبے کے لحاظ سے دیکھیں' کرہ ارض پر مسلمانوں کے پاس تین کروڑ اڑتالیس لاکھ انیس ہزار سات سو نوے مربع کلومیٹر علاقہ ہے۔ جغرافیہ کے لحاظ سے دیکھیں تو دنیا کی عیسائی آبادی یورپ' امریکہ اور آسٹریلیا کے براعظموں تک محدود ہے' بدھ مت مشرق بعید میں مرتکز ہے لیکن مسلمان ممالک دنیا کے ساتوں براعظموں میں موجود ہیں۔

دنیا کی تمام بڑی آبی گزرگاہیں مسلم دنیا سے ہو کر گزرتی ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کو ملانے والے تمام زمینی راستوں میں مسلم ممالک آتے ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے ہوائی راستے (ایئر روٹس) مسلم ممالک کے اوپر سے گزرتے ہیں۔ آپ یورپ سے امریکا آنا چاہتے ہیں'

**یاسر محمد خان**

مشرق بعید سے یورپ یا امریکا جانا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی نہ کسی مسلم ملک کے اوپر سے گزرنا پڑے گا۔

وسائل کے حوالے سے دیکھئے دنیا کی ساری صنعتوں کو ایندھن چاہئے' دنیا کا سارا نظام بجلی کا محتاج ہے اور زیادہ تر بجلی تیل سے بنتی ہے' دنیا کا ستر فیصد تیل مسلمانوں کے پاس ہے' دنیا کی 65 فیصد زرعی زمین مسلمانوں کے پاس ہے' دنیا کا بہترین نہری نظام مسلمانوں کے پاس ہے' دنیا میں سونے کے سب سے بڑے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں اور تانبے' لوہے اور کوئلے کی سب سے بڑی کانیں مسلم ممالک کے پاس ہیں۔'' وہ دم لینے کے لئے رکے۔

مجھے اس دلچسپ داستان کی وجہ تو معلوم نہ ہو سکی لیکن اس کے باوجود میں ان کے لہجے کی روانی میں بہتا چلا گیا۔

انہوں نے تھوڑی دیر توقف کے بعد بیگ سے کاغذوں کا پلندہ نکالا اور میرے سامنے رکھا۔ آہستہ آہستہ کاغذ پلٹ کر بولے ''یہ میرے مقالے کی نقول ہیں' آپ دیکھیں گے''۔

انہوں نے کاغذ پر انگلی رکھی' میں آگے جھک گیا۔ یہ دیکھئے! میں نے حساب لگایا تو پتہ چلا مسلم ممالک کی کل فوج کی تعداد 66 لاکھ 76 ہزار 5 سو ساٹھ بنتی ہے اور یہ اڑتالیس مسلم ممالک ہر سال دفاع پر 76 ارب 9 سو 50 ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں جو دنیا کے کل دفاعی بجٹ کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ دنیا میں ہر سال اسلحہ خریدنے والوں میں مسلم ممالک پہلے نمبر پر ہیں۔ یہ فہرست دیکھیں!''

انہوں نے کاغذ پلٹ کر میرے سامنے رکھ دیا پھر ایک جگہ انگلی رکھی اور سنجیدہ لہجے میں بولے ''مثلاً آپ سعودی عرب کو لیجئے' اس کے پاس دو لاکھ بیالیس ہزار فوجی ہیں اور یہ ہر سال فوج پر اکیس ارب آٹھ سو چھہتر ملین ڈالر خرچ کرتا ہے۔''

وہ ایک بار پھر دم لینے کے لئے رکے۔ انہوں نے کاغذ سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور اسی سنجیدہ اور رواں لہجے میں بولے ''اس وقت مسلم ممالک کی کل فوج میں 66 لاکھ 76 ہزار پانچ سو ساٹھ فوجی اور وہ دفاع پر کل چھہتر ارب نو سو پچاس ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح مسلمان دنیا کی بہت بڑی فوجی طاقت ہیں۔ اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بڑا فرق ہے' امریکی عیسائی برطانوی عیسائی سے مختلف ہے' ایک جرمن پہلے اور عیسائی بعد میں ہے' فرانسیسی عیسائی خود کو آسٹریلوی عیسائی سے افضل سمجھتا ہے۔ اسی طرح چینی اور جاپانی' فلپائنی اور نیپالی بدھ میں بڑا فرق ہے۔

''لیکن مسلمان افریقہ کا کالا ہو' فلسطین کا سرخ' ہندوستان کا گندمی یا البانیہ کا سفید' سب سے پہلے وہ مسلمان ہے' وہ پوری ملت کو اپنی ملت اور پوری مسلم دنیا کو اپنی دنیا سمجھتا ہے' لہٰذا اس مساوات کے باعث ہم اڑتالیس مسلمان ممالک کی فوج کو پوری مسلم اُمہ کی فوج کہیں گے۔ اس کے مقابلے میں یورپ میں فرانس کی فوج فرانسیسی اور برطانیہ کی فوج برطانوی فوج کہلائے گی...... وہ کبھی مل کر عیسائی فوج نہیں بن سکتیں۔ یہ ایک بنیادی اور بڑا فرق ہے لیکن مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ دنیا کے ایک تہائی رقبے کے وسائل اور آبادی رکھنے کے باوجود ایک نہیں ہے' دنیا کی سب سے بڑی فوج رکھنے کے باوجود وہ مغلوب ہے۔

اس کے برعکس عیسائی اپنے مفادات میں ایک ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار...... وہ چاہتے ہیں تو کسی لمبی چوڑی فوج کشی کے بغیر انڈونیشیا سے مشرقی تیمور چھین لیتے ہیں لیکن آپ لوگ اتنی بڑی فوج کے باوجود نہ افغانستان بچا سکتے ہیں اور نہ ہی عراق کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ کتنی بڑی طاقت ہیں اس کا ثبوت فلسطین جا کر دیکھیں' کشمیر اور چیچنیا میں دیکھیں' چند ہزار لوگوں نے پتھروں اور غلیلوں کی مدد سے دنیا کی تین بڑی طاقتوں کے کان پکڑ رکھے ہیں لیکن آپ کی 66 لاکھ 76 ہزار پانچ سو ساٹھ فوجیوں کی فوج بغداد کو نہیں بچا سکتی۔ اگر آج آپ

(باقی صفحہ 13 پر)

# انسانی کردار میں اخلاق کی اہمیت

تحریر : ناہید بنت الیقین

* اخلاق کے معنی عام فہم میں اچھے اور پسندیدہ طور طریقوں کو کہا جاتا ہے۔ اخلاق کا لفظ ''خلق'' سے نکلا ہے جس کے اصل معنی اگر سمجھ میں آ جائیں تو بہت سی گھتیاں سلجھ جاتی ہیں۔

کسی چیز کو استعمال کر کے اس کو ہموار و چکنا کر دینا۔

اس کو عام فہم میں دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان اپنی عادات و اطوار میں سے کھردرا پن نکال کر اور بار بار اس نیک عادت کو کر کے اپنی شخصیت کو ہموار کر لے اس کے تمام رویے معتدل اور متوازن ہو جائیں۔

انسان میں خلق پیدا ہونے کی چند وجوہات ہیں:

پہلی چیز طبیعت ہے یعنی طبیعتاً یا مزاجاً پیدائش کے اعتبار سے وہ شخص کیسا ہے۔ پیدائشی طور پر ہر شخص کا مزاج مختلف ہوتا ہے۔ ہم عام عرف میں اس کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ کسی کی طبیعت گرم مزاج کی، کسی کی بلغمی اور کوئی خشک مزاج ہوتا ہے۔ یعنی ایک خاص کیفیت کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر کوئی معمولی سا سبب بھی اس مزاج کو ہوا دے دیتا ہے۔ مثلاً گرم و خشک مزاج رکھنے والے کو انتہائی معمولی بات پر بھی غصہ آ جاتا ہے جبکہ سرد مزاج والے کو بری بات پر بھی نہیں آئے گا مگر کچھ اور خاصیتوں کی وجہ سے کچھ اور چیزوں کا فوری اثر قبول کرے گا۔

اب طبیعت کی اس بے اعتدالی کو قابو میں رکھنا ہی اصل مقصود ہے۔ جتنا طبیعت کے کھردرے پہلو کو ہموار کرتے جائیں گے اتنے اچھے اخلاق کے حامل ہوتے جائیں گے۔ اس کام کے لئے چند عادتوں کو اپنانا ہوگا۔

عادت کیا ہے؟ انسان ارادتاً اپنے اختیار سے کوئی کام شروع کرے اور پھر اسے بار بار کرے۔ اس طرح وہ اس کا عادی ہوتا جائے گا اور پھر یہ کام اس سے بے اختیار بھی صادر ہونے لگیں گے یعنی پہلے تو وہ ارادتاً اور اختیار سے شروع کرے گا اور پھر بے اختیار بلا ارادہ کرنے لگے گا۔ یہی چیز ''عادت'' کہلائے گی۔

لہٰذا ہر شخص کو اپنی طبیعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی عادت سنوارنی ہوگی یہی اس کا اخلاق ہوگا۔ یہی بات سورۃ الاعلیٰ میں فرمائی گئی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی '' بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے خود کو سنوار لیا''۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں اخلاق کو بے پناہ اہمیت کا حامل بتایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں امن و امان اسی وقت قائم رہ سکتا ہے یا معاشرے کی اصلاح اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسانوں کے مابین تعلقات بحسن و خوبی انجام دیئے جائیں تا کہ ماحول خوشگوار رہے اور امن عالم برقرار رہے۔

انبیاء کرام کے ذریعے اس دنیا کے بنانے والے نے اس دنیا میں امن و امان، سکون اور احساسِ تحفظ کو فروغ دینے کے لئے چند اصول و قواعد بنائے ہیں۔ ہم انہی اصولوں کو ''فضائل اخلاق'' کہتے ہیں۔ جس طرح اسلام میں ہر وہ عمل وہ علم الٰہی سے مطابقت رکھتا ہو ''عبادت'' کہلاتا ہے لہٰذا ہر وہ اخلاق عمل بھی عبادت ہے جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ ایمان اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ انسانی وجود میں اللہ تعالیٰ کی پہچان کا نام ''ایمان'' ہے۔ اسی لئے ایمان کو مکمل کرنے کا ذریعہ اخلاق بھی بتایا گیا ہے نبی کریم کا ارشاد ہے:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا

(ترمذی، ابوداؤد، حاکم) مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا ایمان سب سے اچھا ہے عموماً بندہ حقوق اللہ کی کوتاہی کا اتنا مرتکب نہیں ہوتا جتنا حقوق العباد کی کوتاہی کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جس اللہ کے حکم کو بجالانے کے لئے نماز روزے رکھتے ہو اسی رب کی طرف سے احکام اخلاق بھی ہیں۔ اسی لئے اگر فکر و نظر کی گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے بنیادی ستون کی جڑوں میں بھی ہم کو اخلاقِ حسنہ ہی ملیں گے۔

مثلاً نماز ادا کرنے کا حکم دیا پھر اس کی غرض و غایت یا مقصد یہ سورۃ العنکبوت میں فرمادیا کہ ان الصلوۃ تنھا عن الفحشاء والمنکر (بے شک نماز تم کو بے حیائی اور غلط کاموں سے روکتی ہے) گویا نماز پڑھنے والے کو لازماً ان دو اخلاقی برائیوں سے بچنا لازم ہوگا ورنہ نماز کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں بحوالہ حدیث فرماتے ہیں کہ جس کی نماز اسے برائی و بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اسے اللہ سے مزید دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح روزے کے بارے میں بھی حدیث ہے کہ روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ و فریب نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں (بخاری، ترمذی)

زکوۃ وصدقات کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو جتا اور تنگ کر کے اسی طرح نہ برباد کر دو جیسے کوئی دکھاوے کو خرچ کر کے برباد کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ (آیت: 264)

اسلامی ارکان کی اصل روح اس عمل کا اصل ''مقصد'' ہے۔ اگر عمل میں مقصدیت نہیں تو گویا جسم ہے مگر روح نہیں۔ تمام ارکان اسلام کی اصل غرض و غایت اللہ کی رضا ہے اور وہ اسی وقت حاصل ہو گی جب اعمال کو اس اصل مقصد کے تحت انجام دیا جائے جو اللہ نے بتائے ہیں۔

''اور جو یہ تمام کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے گا تو ہم اسے بڑا اجر دیں گے'' (النساء: 114)

عادات کے لحاظ سے اچھے اخلاق کو اخلاق حسنہ اور برے کو اخلاق سیۂ کہتے ہیں۔

حسن اخلاق کیسے حاصل ہوتا ہے:

1۔ یا تو انسان اللہ کی طرف سے یہ انعام پاتا ہے کہ پیدائشی طور پر عقل میں کامل ہو اور اس پر شہوت و غضب کا غلبہ نہ ہو۔ سچا ہو اور شجاع ہو یا پھر اس کو یہ خود محنت کر کے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ انسان کے اندر نیکی و بدی کا شعور تو اللہ نے ضرور رکھا ہے مگر ماحول یا تربیت یعنی خارجی اثرات اور اس کی اپنی طبیعت بھی ان نیکی و بدی کی صفات کو ابھارنے کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ شمس میں فرماتے ہیں:

''اس کی قسم جس نے نفس کو درست فرمایا پھر اس میں اس کی اور نیکی کا شور دیا۔ بے شک جس نے اسے سنوار لیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اس کو خراب کر دیا وہ ناکام و نامراد رہا'' (آیت 7 تا 10)

2۔ حسنِ اخلاق تک پہنچنے کے لئے خواہشات کی باگ ڈور عقل کے حوالے کرنی ہوتی ہے اور عقل کو اللہ کی رضا کا تابع کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ عقل انسان کو شیطانی راہ پر چلانے کا سبب بن جائے گا۔

جس طرح ظاہری حسن کے لئے چند معیار مقرر ہیں۔ بالکل اسی طرح باطنی حسن یعنی اعمال حسنہ کے لئے بھی کچھ معیار مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ فضائل کہلاتے ہیں اور 4 ہیں۔

(باقی صفحہ 13 پر)

کتاب نما

# عظیم شخصیات کے آخری لمحات!

## نئی کتاب کا تعارف

✿ اس موضوع پر سب سے مشہور کتاب اب تک مولانا ابوالکلام آزاد کی چلی آ رہی ہے۔ اس کی مقبولیت کا راز مولانا صاحب کے پرجلال اور پرشکوہ اسلوب میں ہے جو فارسی' عربی اور اردو کے امتزاج کا بہترین نمونہ ہے' پھر اسلوبِ بیان کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی ان کی پررعب شخصیت کا جادو اس پر ایزاد ہے۔ زیرِ نظر تازہ کتاب تین باتوں میں مولانا صاحب کی تصنیف سے مختلف ہے۔ اوّل یہ کہ مولانا صاحب نے پوری دنیا کے مشاہیر' بلا امتیاز مذہب و قوم کے آخری لمحوں پر سخن طرازی کی ہے' جبکہ اس کتاب کے مؤلف خواجہ طاہر محمود کوریجہ صاحب نے صرف تاریخِ اسلام کو اپنا میدانِ انتخاب قرار دیا ہے۔ مولانا موصوف نے صرف تیرہ مشاہیر کا انتخاب کیا' اور زیرِ نظر کتاب میں تقریباً دو سو پچاس مشاہیر اسلام کی زندگی کے آخری لمحات کو بیان کیا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ مولانا صاحب کی کتاب پر ان کا اسلوب چھایا ہوا ہے' اور خواجہ صاحب کی کتاب کا بنیادی وصف تحقیق ہے' جو کچھ لیا' کلاسیکی کتب سے لیا اور جوں کا توں پیش کر دیا۔ خواجہ صاحب کے اسلوب میں دقّت پسندی' شکوہِ الفاظ اور اسلوب کے ظاہری حُسن پر اس قدر زور نہیں ہے' جس قدر روحِ مضمون اور حسنِ ابلاغ پر۔ ان کا اسلوب بہت سادہ اور آسان فہم ہے' اگرچہ دل نشین۔

کتاب چھ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں سرور عالم ﷺ' اہلِ بیتؓ اور خلفائے راشدینؓ' دوسرے حصے میں صحابہ کرام ؓ' تیسرے حصے میں ائمہ' فقہاء' علماء' مجتہدین' چوتھے حصے میں مشائخ عظام اور اولیاء کرام' پانچویں حصے میں سلاطین' وزراء' امراء اور چھٹے حصے میں تاریخ اسلام کے معروف شاعروں اور ادیبوں کے آخری لمحات کو ایسے اخلاص اور دردمندی سے پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے اس کی اثر انگیزی کے سحر میں ضرور آتے ہیں۔

مؤلف نے اپنے فاضلانہ پیش لفظ میں کتاب کی وجہ تالیف میں لکھا ہے: ''موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا ادراک ہر ذی شعور کو ہونا چاہئے۔ اسی لئے ارشادِ ربانی ہے: ''ہر ذی حیات کو مزہ چکھنا ہے۔ سب کے سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے''۔ حدیث مبارکہ میں بھی مسلمانوں کو بار بار اپنے وقتِ آخر کو یاد رکھنے کے لئے فرمایا گیا۔ سکرات کی اذیت اور قبر کے عذاب سے بھی خبردار کیا گیا' تاکہ اس عارضی و فانی کے چند روزہ عیش و آرام میں ڈوب کر اپنے فرائض حیات اور اپنی دنیائے آخرت کو نہ بھلا دیا جائے''۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ امام احمد بن حنبل کی چند سانسیں باقی رہ گئیں تو کہنے لگے: ''نہیں' ابھی نہیں''۔ ان کے صاحبزادے نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: ''میرے اردگرد شیاطین بیٹھے ہیں اور ابلیس مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: اے احمد' افسوس صد افسوس' تم مجھ سے اپنا ایمان سلامت لئے جا رہے ہو۔ تو میں اس سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں: نہیں ابھی نہیں' میری زندگی کی چند سانسیں ابھی باقی ہیں۔ جب تک میری روح میرے جسم سے توحید پر نہ نکل جائے' میں تجھ سے غافل نہیں رہوں گا۔''

امام مالکؒ بھی اپنے آخری وقت میں زار و قطار رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''میں نہ روؤں تو اور کون روئے گا۔ کاش میرے ہر قیاسی فتوے کے بدلے مجھے کوڑے مارے جائیں۔ کاش میں نے اپنی رائے سے ایک بھی فتویٰ نہ بتایا ہوتا' اور مجھ سے پہلے جو فتوے دیئے گئے' انہیں پر اکتفا کر لیتا۔''

حضرت سفیان ثوری موت کو یاد کر کے کانپنے لگ جاتے اور فرماتے: ''رات کو سوتے میں اگر کوئی شعور سنائی دے تو میں کانپ اٹھتا ہوں کہ کہیں ہم پر عذاب تو نازل نہیں ہوگا۔ وہ سو جاتے اور پھر اچانک دوزخ دوزخ کہتے ہوئے بیدار ہو جاتے اور مصروفِ عبادت ہو جاتے اور اتنا گریہ کرتے کہ تلاوت مشکل سے کر پاتے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر عبداللہ بن مرزوق نے اپنے آخری لمحوں میں کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے کچھ دیر کے لئے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے' شاید اسی طرح اللہ کا رحم مجھ پر نازل ہو جائے۔

نامور صوفی بزرگ حضرت ابوبکر شبلی کا وقتِ رحلت آیا تو اظہارِ عجز کے طور پر اپنے سر سے دستار اتار ڈالی' بال بکھرائے اور پھر اُن میں راکھ ڈال دی۔

اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے آخری وقت میں کہا: ''اے دُنیا تو کیسی خوشبودار ہے' تیرا طویل کتنا مختصر اور تیرا کثیر کتنا حقیر ہے''۔

حجاج بن یوسف جیسا جابر و قاہر کرب سے بولا: ''ناقابل بیان تکلیف' ناقابل برداشت کیفیت' سفر دراز لیکن زادِ راہ موجود نہیں۔ اگر اس رحیم و کریم نے مجھ پر ترس نہ کھایا تو میری تباہی یقینی ہے۔''

حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا: ''پگھل رہا ہوں' ٹوٹ رہا ہوں' یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں آسمان و زمین کے درمیان معلق ہوں' نہ اوپر چڑھ سکتا ہوں' نہ نیچے اتر سکتا ہوں۔ جیسے میرے سر پر پہاڑ آن گرا ہو' جیسے پیٹ میں کھجور کے کانٹے چبھ رہے ہوں' جیسے سوئی کے ناکے سے گزر رہا ہوں۔''

امیر معاویہ ؓ نے کہا: ''دنیا نے ہم سے بے وفائی کی' ہماری جوانی چھن گئی' بڑھاپا ہم پر مسلط ہو گیا' آہ اب سوائے حسرت و یاس کے کچھ پاس نہیں۔ میں اب اس کھیتی کی طرح ہوں جو پک چکی ہے''۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے دمِ آخر اپنے فرزند کو تلقین کی: ''میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا۔ اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن کا کیا فائدہ ہے۔ میرے لئے لمبی چوڑی قبر بھی نہ کھودی جائے۔ اگر میں اللہ کے ہاں مستحق رحمت ہوں تو از خود میری حدِ نگاہ تک وسیع ہو جائے گی۔ اگر مستحق رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا: میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلد سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہئے۔ اگر مستحقِ عذاب ہوں تو ایک برے آدمی کا بوجھ جس قدر کندھوں سے اتار پھینکا جائے' اسی قدر بہتر ہوگا۔

غرضیکہ اڑھائی سو سے زیادہ تاریخ اسلام کے مشاہیر کے آخری لمحات پر مشتمل یہ کتاب مؤلف نے بڑی محنت اور سلیقے سے مرتب کی ہے۔ الفیصل ناشران' اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے اور قیمت 150 روپے مقرر کی ہے۔ ✿


**قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس**

ایف اے' آئی کام' آئی سی ایس

ایف اے (جنرل سائنس گروپ)

میں لیٹ فیس کے ساتھ

**داخلے جاری ہیں**

پرنسپل قرآن کالج' 191- اتاترک بلاک'

نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور فون: 5833637

# خبرنامہ عالم اسلام

## اسامہ اور ملا عمر زندہ ہیں

افغانستان کے وزیر داخلہ احمد جلالی نے 24/جولائی کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ اسامہ اور ملا عمر شاید دونوں زندہ ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کہاں ہیں؟ جبکہ گزشتہ ماہ افغانستان کے بعض سرکاری عہدے داروں کی طرف سے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ دونوں پاکستان میں ہوں۔ اس کی تصدیق امریکی قائم مقام کمانڈر جنرل ایف ایل سنٹر کے اعلانیہ الزام سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ کوئٹہ میں ہزاروں طالبان ہیں۔ یہ لوگ مدرسوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کھلے عام پریس کانفرنسیں کرتے ہیں اور موبائل فون پر باتیں کرتے ہیں۔ پاکستان سے بڑی تعداد میں طالبان جنوبی افغانستان آ رہے ہیں۔ طالبان اور حکمت یار مشترکہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ افغانستان کے صدر حامد کرزئی کی درخواستوں کے باوجود پاکستان کچھ نہیں کر رہا۔

## صدام حسین کے دو بیٹوں کی ہلاکت

امریکی فوج نے 22/جولائی کو شمالی عراق میں موصل کے قریب ایک کارروائی کے دوران سابق صدر صدام حسین کے دونوں بیٹوں عودے اور قصئے کو شہید کر دیا۔ سی این این کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ امریکی حکومت کی طرف سے صدام کے بیٹوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے لئے 15 ملین ڈالر انعام کا اعلان کیا تھا۔ ایک شخص نے امریکی حکام کے پاس آ کر ان کا ٹھکانا بتایا۔ چنانچہ 200 امریکی فوجیوں نے ٹینکوں اور بھاری توپ خانے سے اس عمارت کا محاصرہ کر لیا۔ امریکی فوج نے دونوں کو ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا جس سے ان کی جان بخشی ہوسکتی تھی۔ لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور چھ گھنٹے تک امریکی فوج سے لڑتے رہے۔ صدام حسین کے بیٹوں کی شہادت کی خبر سن کر امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا نے اظہارِ مسرت کیا۔ جرمنی، فرانس اور ایران نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ روس نے کہا کہ اس خبر سے عراق کے استحکام کی کوئی ضمانت نہیں۔ امریکی جنرل بریمر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ صدام حسین کے حامی انتقام لیں گے اور گوریلا جنگ میں تیزی آ سکتی ہے۔ دوسری طرف دبئی کے ایک ٹیلی ویژن چینل ''العربیہ'' نے صدام کا ایک وڈیو ٹیپ جاری کیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ عراق میں جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ جاری رہے گی۔

## حلال گوشت پر یہودیوں کا احتجاج

امریکن اسلامک ریلیشنز کے ڈائریکٹر عوامن نے کہا ہے کہ نیو جرسی سمیت کئی ریاستوں میں مسلمانوں کو حلال گوشت فراہم کرنے کے لئے قانون منظور ہو چکا ہے۔ امریکہ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ لیکن یہودیوں نے اس قانون پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کو اسلامی ریاست نہیں بننے دیا جائے گا۔ اس قانون کے تحت مسلمانوں کو اب حرام اشیاء کے استعمال اور اُن کی خریداری سے بچنے کا موقع ملے گا۔ مسلمانوں نے امریکہ کے اس اقدام کی تعریف کرتے ہوئے اسے ایک اہم پیش رفت قرار دیا ہے۔

## ایڈوانی پر الزام لگانے والوں کو جان کا خطرہ

بھارت کے نائب وزیر اعظم ایل کے ایڈوانی پر بابری مسجد کی شہادت کا الزام لگانے والے دو کارسیوکوں نے اپنی جانوں کو درپیش خطرات کی نشاندہی کی ہے۔ سنوش دوبے اور ونود نے لکھنؤ کی ایک خصوصی عدالت کو بتایا کہ جب سے انہوں نے ایڈوانی کے خلاف بیان دیا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے انہیں ٹیلی فون پر سنگین نتائج کی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ ادھر اتر پردیش (یو پی) کے سابق وزیر اعلیٰ اور سانحہ بابری مسجد کے ملزم کلیان سنگھ نے بیان دیا ہے کہ وہ تحقیقاتی کمیشن کے روبرو اُسی وقت پیش ہوں گے جب وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور نائب وزیر اعظم ایل کے ایڈوانی بھی پیش ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ان دونوں لیڈروں سے عوامی مباحثہ کر کے دونوں رہنماؤں کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس واجپائی اور ایڈوانی کے خلافت شہادتوں کی کمی نہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے اصل ذمہ دار اور بنیادی کردار یہی دو رہنما ہیں۔

## ایران اور ایٹمی عدم پھیلاؤ

ایران نے 24/جولائی کو واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ اس نے ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے اضافی سمجھوتے کو تسلیم نہیں کیا۔ وزیر خارجہ کمال خرازی نے کہا ہے کہ عالمی ایٹمی توانائی ایجنسی کے قانونی ماہرین کے تہران کے دورے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایران اپنی ایٹمی تنصیبات کے ''اچانک معائنے'' پر رضامند ہو گیا ہے۔ ایران نے عالمی ایٹمی ایجنسی سے کہا ہے کہ وہ ایٹمی عدم پھیلاؤ (این پی ٹی) کے سمجھوتے میں کچھ اضافے کرنا چاہتا ہے تو اُس کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔


16. 8. Roselle Tekiner, Samir Abed-Rabbo, Norton Mezvinsky, eds., Anti-Zionism: Analytic Reflections (Amana Books, 1988); Uri Davis, Israel: An Apartheid State (Zed Books, Ltd, 1987); The International Organization For The Elimination Of All Forms Of Racial Discrimination, Zionism And Racism (North American, 1979); Francis R. Nicosia, The Third Reich And The Palestine Question (University of Texas Press, 1985); Lenni Brenner, Zionism In The Age Of The Dictators (Lawrence Hill, 1983); Regina Sharif, Non-Jewish Zionism: Its Roots In Western History (Zed Press, 1983).

17. Badi, J. (1960). Fundamental Laws Of The State Of Israel. New York. p.156.

18. Quoted in Dr. Robert John, Behind The Balfour Declaration: The Hidden Origin Of Today's Mideast Crisis (Institute for Historical Review, 1988), p.35.

19. See Nature, 21 March 1985, p.208; See the Proceedings Of The National Academy Of Sciences, 9 May 2000, as reported on in Nicholas Wade, "Y Chromosome Bears Witness to Story of the Jewish Diaspora," New York Times, 9 May 2000. 20. See Robert Vexler's Germany: A Chronology And Fact Book: 1415-1972, p.129.

21. Uri Davis, Israel: An Apartheid State, pp.4, 25, 44, 49, 53, 55, 58, 60.

22. Louise Cainkar, ed., Separate And Unequal: The Dynamics Of South African And Israeli Rule (Chicago: Palestine Human Rights Campaign, 1985), see Preface.

23. Ibid. Page 49

24. Quoted in Ha'aretz (Israel), 24 May 2001.

25. De Reynier, J. (1950). Chief Representative Of The International Committee Of The Red Cross In Jerusalem. (A Jerusalem Un Drapeau Flottait Sur La Ligne De Feu', Geneva.

26. Begin, M. (1964). The Revolt: The Story Of The Irgun. Tel-Aviv: Hadar Pub. p.162.

27. Ibid. The Wall Street Journal, February 7, 2001, p.A26.

28. See. The "lost tribes of Israel" are the Muslims of Afghanistan and Kashmir -- Proved from the Bible and History. Web Site: http://www.answering-christianity.com/lost_people_of_israel.htm



محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کی فکر انگیز تقریر

''اسرائیل نامنظور''

آڈیو سی ڈی اور کیسٹس میں دستیاب ہے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 03-5869501

www.tanzeem.org e-mail: info@tanzeem.org

anti-integrationist racial thought of the past and present.(16) A former member of Israel's Supreme Court, Haim Cohen, described the system that applies to Jews and Palestinians in Israel as similar to "Nuremberg laws" of Nazi Germany: "...the bitter irony of fate which has led the same biological and racist laws propagated by the Nazis and which inspired the infamous Nuremberg laws, to serve as a basis for the definition of Judaism within the State of Israel."(17)

In the words of Zionist political thinker Moses Hess, "Jews are not a religious group, but a separate nation, a special race, and the modern Jew who denies this is not only an apostate, a religious renegade, but a traitor to his people, his tribe, his race."(18)

Israeli and American scientists are conducting studies to emphasis the biological history of the Jewish people and prove how the latter differ from the non-Jewish world.(19) This information is used to define into existence a "Jewish race" and discriminate against non-Jews. Indeed, Jewish Zionists and their gentile supporters would probably demand immediate annihilation of the countries involved if, for example, it were found that Muslim scientists were attempting to determine how Muslims differ from non-Muslims in genetic-biological sense, and this information would be used to implement racially discriminatory policies.

The obvious reality of scientific studies is that the Zionists are refusing anyone the right to settle in Israel if he does not have "Jewish genes." With this in mind, consider point four of the Nazi Party Program of May 25, 1920. It reads: "None but members of the nationality may be citizens of the state. None but those of German blood, irrespective of religion, may be members of the nationality."(20) In contemporary terms, only those with "German genes" could be citizens of Nazi Germany. Is this reality not enough to show façade of the Israeli Apartheid state?

In words of Uri Davis, to mask Israeli apartheid, it was necessary to present Israel to the world as an advanced form of democracy. Thus, duplicitous legal structures were devised which effectively mask the racial discrimination and apartheid.(21) A study of Israeli and South African apartheid published in the 1980s brought the reality to forefront that "The parallels between South Africa's system of legalized racism and that of Israel are well-known in academic circles but rarely discussed in the mainstream media, peace community or halls of Congress."(22) Former Congressman George W. Crockett, Jr. noted back in 1985 that "Here in Congress we are fighting against South Africa's repressive measures, and yet closing our eyes to the institutional repression and the brutality that is daily being conducted against the Palestinians in the Israeli-occupied Arab territories."(23)

The former editor-in-chief of the Rand Daily Mail (the Johannesburg newspaper that fought against South African apartheid), Raymond Louw, further clarifies the reality that the situation in the Israeli occupied territories is worse than the way things were under the South African apartheid regime because under the South African apartheid "there was a recognition that the blacks would continue to live in these areas. Here the impression is that the objective is to push the Palestinians out."(24)

It is thus wrong to blame Muslims, or Pakistanis in particular, that they are refusing to accept Israel purely on religious grounds. Besides the above mentioned realities, the other important factors that do not allow one recognise the façade of Israel are:

**1.** Not only Israel was founded on racism but through the means of terrorism, brutal murders of men, women and children, exiling 700,000 of them for occupying their lands, homes, gardens and farms. Among those events was the sadistic massacre of 254 Palestinian at Deir Yassin. It was an especially vicious, cold-blooded massacre characterized by Jews cutting apart the bellies of pregnant women.(25) Former Israel Prime Minister, Menachem Begin, a participant in this horrendous massacre, boasted of the terrorism of Deir Yassin. He wrote that there would not have been a State of Israel without the "victory" of Deir Yassin. "The Haganah carried out victorious attacks on other fronts... In a state of terror, the Arabs fled, crying, 'Deir Yassin."(26)

**2.** Zionist plan is to incorporate the West Bank within Israel but only after ethnic cleansing by repeating the same terrorism and brutality that preceded for the establishment of Israel. Israeli refusal to accept the right of return of the Palestinians is due to their fear of altering the nature of the Jewish state. And leading Americans and American media outlets approve this philosophy.(27)

**3.** As for the allegation of anti-Semitism in Pakistan is concerned, Pakistanis have no reason to hate Jews. They rather hate the Zionist philosophy and activities. As far the Semites are concerned, people of this regions have the same genes.(28) Furthermore, according to Arthur Koestler over 90% of European Jews were Ashkenazi people who were Caucasian converts to Judaism. It means that less than 10% Jews are Sefardic and may qualify to be genetically linked to Bani Israel (see his book The Thirteenth Tribe).

These are just glimpses of the realities that do not allow Pakistan to recognize the façade of Israeli state. It is all too easy for Muslim intellectual mercenaries to be swayed by their personal interests and cajolery without serious study of cold historic realities. However, those who have eyes to look beyond façades know what they are supposed to do. We are not supposed to swallow, no matter how much the Western media sweeten a practice based on a philosophy that is worse than German Nazism. Interestingly, no anti-Semitic Muslim, but diligent non-Muslim researchers have discovered all these tips of the icebergs. All we can do is to accept the reality or continue to live in denial because the majority has opted so.

July 24, 2003

**End Notes:**


1. Haqqani, Hussain. "Israel or the home front," The Nation, July 23, 2003. See: http://www.nation.com.pk/daily/July-2003/23/EDITOR/op1.asp

2. To see how Jews are reluctant to recognize Israel, please visit: WHY JEWS ARE OPPOSED TO A ZIONIST STATE, See: http://www.nkusa.org/AboutUs/Zionism/opposition.cfm http://www.jewsagainstzionism.com/ and http://www.jewsagainstzionism.com/rabbis.htm

3. Ibid. Haqqani, Hussain.

4. Ibid. Haqqani, Hussain.

5. Ibid. Haqqani, Hussain.

6. Ibid. Haqqani, Hussain.

7. Ibid. Haqqani, Hussain.

8. Ibid. Haqqani, Hussain.

9. UN Resolutions Against Israel, 1955-1992. See: http://www.nowarforisrael.com/UN%20Resolutions.htm

10. Ibid. Haqqani, Hussain.

11. In the words of Founder of Pakistan, Israel is an illegitimate child of Western powers. (25th October 1947).

12. Jewish Middle East analyst, Mitchell Bard, says in Ohio's most important newspaper The Plain Dealer, January 19, 1989, p.3-E.

13. The Wall Street Journal, February 7, 2001, p.A26.

14. Francis R. Nicosia, The Third Reich And The Palestine Question, pp.16-21.

15. Quoted in Uri Davis, Israel: An Apartheid State, pp.1-2.

Vol : 12 Regd.No.LRL-50 No.28
Weekly *Nida-e-Khilafat* Lahore

**View Point**

**Abid Ullah Jan**
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

# The Façade of Israel's Reality

A specific class of Muslims continues to deny that the US "war on terrorism" has added dynamism and given new legitimacy to the centuries old war on Islam. Since this ever-intensifying war encompasses almost every aspect of Muslim life, this write up deals only with the way our so-called scholars-turned-US-mercenaries are scoring points for self-projection.

These intellectual mercenaries have dwarf the military mercenary by comparison, because what General Musharraf gets in return for his services is far more than what the confused pen-pushers may just hope to get in reward.

The best example of their latest escapade is Husain Haqqani's article in the Nation, July 23, 2003, which is representative of the research papers being produced from American think tanks, the State Department and even the White House these days.(1) Even the most naïve readers can understand the real objectives behind this kind of write-ups. Wrapped in nicely worded prescriptions for the well-being of Pakistan, there are well-studded gems for pleasing master of our destiny, the Zionists in the U.S.

Realising Zionist power, the chief opportunist, General Musharraf, took the lead through covert promises of recognising Israel during his visit to the U.S.(2) The intellectual mercenaries are now trying to catch up with some confused mixture of rejecting Musharraf and accepting Israel. Other than the singular factor of not accepting General Musharraf in uniform, there is hardly any difference of opinion among co-mercenaries.

Both believe, Israel is "a reality and it might be in Pakistan's interest to overcome ideology to recognise reality."(3) Both suggest, Pakistan can "wait a little longer to be part of its collective recognition by the Arab-Islamic world."(4) Both see religious elements "enforcing ideological aradigms on an unwilling Pakistani populace."(5) Both conclude, "Pakistan's options for success and development would certainly be better as a functional democratic state, which retains its Islamic ethos through the conviction of its citizens rather than by the enforcement of conflicting theocratic visions."(6)

Criticising General Musharraf is just for the sake of criticism and guaranteeing a slot in future set-ups. Most importantly, wrapped in 1200 words brouhaha is the real bomb of introducing the idea of anti-Semitism in Pakistan. The tatement through which they want to beat the chief opportunist is: "Violent ideas, including anti-Semitism and sectarianism, should be eliminated to pave the way for a tolerant society."(7)

The strongest argument used in favour of recognising Israel is that it is a "reality" and it is "in Pakistan's interest to overcome ideology to recognise reality." Before discussing the realities behind façade of Israel's reality, let us assume, Israel is a reality. If this is the standard for surrendering ideology there are too many realities around to recognise. For instance, ban on Ten Commandments and religious education is a reality. Let us ban Islamic teachings from school curriculum altogether. Invoking God is politically incorrect. It is a reality. Let us ban it as a basic step for a tolerant political environment. Alternative lifestyles are a reality. Let us recognise and allow same sex marriages, common law partnerships (living together and procreating without formal marriage), out of wedlock births, gaybies (babies belong to homosexuals), etc. because all these are undeniable realities of the advanced age. Let us get out of our medievalism.

The answer comes, 'you are wrong,' because "recognition of nations and states is a matter of international law," and it must not be "influenced by political or religious sentiment."(8) Well, some one must let us know about the fate of countless UN resolutions that demand Israel to live like a real state.(9) Someone let the poor souls of Taliban understand, where was the international law when they were not recognised for many years. If the answer is, they were "brutal thugs," who did not respect human rights; we would love to know if Israel's foundation is not laid in racism?

It is irrelevant to argue that refusal of most Muslim states "to recognise Israel has not diminished Israel's statehood,"(10) because this is not the issue. The issue is of legitimacy. If the principle did not allow many nations to recognize apartheid regime in South Africa, it is again the principle that does not allow us to recognize a racist and oppressive state of Israel. There is no need to bring in Islam and scapegoat it as an ideology for nothing.

All we need to see is the realities behind the façade of Israeli state. Not recognising Israel is not a denial of reality. It is simply a denial to legitimise "an illegitimate child of Western powers."(11) Even recognition by every single individual on the planet cannot change the reality of its illegitimacy, just as the entire Supreme Courts ruling and legislations make out of wedlock births legitimate. Let us not forget the reality that Israel is the only state established on the basis of race. And what about the reality when the whole world at the UN World Conference Against Racism in Durban in 2001 was on one side and US and Israel on the other. Still the world managed to achieve its historic declaration condemning Zionism as racism and Israel for genocide.

Actually, the realities behind the State of Israel turns its reality into a façade, which no amount of time, power and number of its recognisers can change. Let us not deny the reality that Israel will not exist without racism. Not any anti-Semite, but "most Israelis have argued that Israel cannot remain a Jewish state or a democracy if it incorporates the occupied territories, because Palestinians would alter the nation's demographic balance."(12)

One of the most important and influential newspapers in the United States, The Wall Street Journal, opined that the "right of return" of Palestinian refugees would result in the "demographic destruction of the Jewish state."(13) When the same views of a virtual ban on immigration into his nation were expressed by Austrian political leader, Jorge Haider, he was widely condemned in the mainstream media of the United States and Europe as a racist.

Asking to recognise Israel's reality is no more than asking to legitimise Nazism because political Zionism and German Nazism bear some distinct similarities.(14) Joachim Prinz, a former Vice-President of the World Jewish Congress, in 1934 praised the Nazi revolution (1933) in Germany: "Only a state based on the principle of the purity of the nation and the race can possibly endow dignity and honor on...those Jews who themselves subscribe to this principle."(16)

The proponents of Israel's reality must tell us if the same thinking does not continue to be a reality till date. Zionism remains a political philosophy that is firmly grounded in the